اسلام میں فاضلہ دولت کا مقام

مولانا عبد الرحمٰن کیلانی

شرعی احکام کی حکمت

شریعت اسلامیہ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے احکام مسلمانوں کی اکثریت کے لیے اور نارمل حالات میں قابل عمل ہوتے ہیں۔ جب حالات بدل جائیں تو احکام میں بھی تھوڑی بہت تبدیلی کر دی جاتی ہے۔ پھر یہ احکام چونکہ ایک عام انسان کی استعداد یا قوتِ کار کو ملحوظ رکھ کر دیے جاتے ہیں۔ لہٰذا عام استعداد سے کم استعداد رکھنے والوں کے لیے رعایت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور عام استعداد سے زیادہ استعداد رکھنے والوں کے لیے وسیع میدان عمل کو سامنے لاکر انھیں اس کی زیادہ بجا آوری کی ترغیب دی جاتی ہے۔ پھر ان احکام کی بجا آوری کے سلسلہ میں مزید دو باتوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

۱:۔ ان تمام مراعات کے باوجود اگر کوئی مسلمان ان احکام کی ٹھیک طور پر بجا آوری میں کمی کرتا یا اس سے انکار کرتا ہے۔ تو اس کا یہ عمل یا تو اُسے دائرہ اسلام سے ہی خارج کر دے گا یا وہ کم از کم گناہ کبیرہ کا مرتکب ضرور ٹھہرے گا۔

۲:۔ ترغیبات کی بھی ایک حد ہے جو شریعتِ اسلامیہ نے مقرر کر دی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس حد سے بھی بڑھنے کی کوشش کرے گا تو اس کا یہ عمل اس کی خلوص نیّت کے باوجود سنّت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود قرار پائے گا اور وہ شخص اجر کے بجائے الٹا سزا کا مستوجب ٹھہرے گا۔

نماز کی مثال اَب میں اُن تمام باتوں کو ایک دو مثالوں سے سمجھاؤں گا۔ شریعت اسلامیہ نے ہر عاقل بالغ مسلمان پر پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے اور ہر نماز کی فرض رکعات کو متعین کر دیا ہے۔ یہ بھی بتلا دیا ہے کہ یہ نماز مسجد میں جاکر جماعت کے ساتھ ادا کی جائے گی اور اس

سے پیشتر وضو (طہارت) بھی لازمی ہے ۔ اب اس حکم میں حالات اور کم استعداد والوں کے لیے مراعات اور زیادہ استعداد والوں کے لیے ترغیبات ملاحظہ فرمائیے ۔

حالات کے لحاظ سے مراعات

اس عام حکم میں حالات کے لحاظ سے شریعت نے جو مراعات ملحوظ رکھی ہیں وہ درج ذیل ہیں ۔

۱ ۔ اگر بروقت پانی دستیاب نہ ہو تو وہ تیمم کر سکتا ہے ۔ اسی طرح ایسا بیمار جسے وضو کرنے سے تکلیف یا نقصان کا خطرہ ہو وہ بھی تیمم کر سکتا ہے ۔

۲ ۔ سفر یا خوف کی حالت میں نماز قصر کر سکتا ہے اور دو دو نمازیں اکٹھی بھی ادا کر سکتا ہے ۔

۳ ۔ سفر کی حالت میں سواری پر ہی نماز ادا کر سکتا ہے ۔

۴ ۔ قبلہ کی تعیین یا نماز کے اوقات کی تعیین میں دقت ہو تو اندازہ سے کام لے سکتا ہے ۔

۵ ۔ اگر انسان بارش یا کسی اور معقول وجہ سے مسجد نہیں جا سکتا تو گھر پر بھی نماز ادا کر سکتا ہے ۔

۶ ۔ اگر کسی مجبوری سے نماز کا وقت نکل جائے ۔ تو اس کی قضا دے سکتا ہے ..... وغیرہ وغیرہ ۔

کم استعداد والوں کے لیے مراعات

۱ :۔ نابالغ اور مجنون سے نماز کی فرضیت کو ساقط کر دیا گیا ہے ۔

۲ :۔ بیمار بیٹھ کر نماز ادا کر سکتا ہے ۔ زیادہ بیمار ہے تو لیٹ کر بھی ادا کر سکتا ہے ۔ اتنی بھی ہمت نہ رہی ہو تو لیٹے لیٹے ہی اشارہ سے پڑھ سکتا ہے ۔

۳ :۔ حیض اور نفاس کے دوران عورت سے نماز کو ساقط کر دیا گیا ہے ۔

۴ :۔ ایسا بیمار یا انتہائی بوڑھا جو مسجد تک جانے کی ہمت نہیں رکھتا ۔ وہ مستقل طور پر اپنے گھر میں نماز ادا کر سکتا ہے ..... وغیرہ وغیرہ ۔

اب دیکھئے اگر کوئی مسلمان ان تمام مراعات کے باوجود عمداً نماز ادا نہیں کرتا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر نماز کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا ۔

زیادہ استعداد والوں کے لیے ترغیبات

معاشرہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو عام استعداد سے زیادہ استعداد رکھتے ہیں ان کیلئے فرض کے علاوہ نوافل تجویز کئے گئے ہیں ۔ ان نوافل کو جو شخص جس حد تک بجا لائے گا ۔ اسی قدر اس کے

درجات بلند ہوں گے ۔ ایسے نوافل (جنہیں تطوع بھی کہا جاتا ہے) کی کئی اقسام ہیں مثلاً :

۱ ۔ فرض رکعات کے ساتھ سُنتیں اور نوافل فرض رکعات کے ترک سے کفر لازم آتا ہے مثلاً فجر کی فرض رکعات دو ہیں ۔ ظہر کی چار ، عصر کی چار مغرب کی تین اور عشاء کی چار ۔ اب ان رکعات پر جو اضافہ رسول اللہؐ نے تطوعاً کیا ۔ وہ ہمارے لیے سنّت رکعات ہیں ۔ مثلاً فجر کی نماز سے پہلے دو رکعت سنّت یا ظہر سے پہلے چار اور بعد میں دو رکعت سنت وغیرہ ۔ پھر ان فرض اور سُنّت رکعات پر مزید رکعات کا تطوعاً اضافہ ہُوا اسے نفل کہتے ہیں ۔ مثلاً ظہر کے آخر میں ۲ رکعت ، مغرب کے بعد ۲ رکعت نفل اور عشاء میں ۴ رکعت نوافل ہیں ۔

۲ ۔ یہ پانچ نمازیں تو ہر عاقل بالغ ، مرد ، عورت پر فرض ہیں ۔ پھر کچھ نمازیں ایسی ہیں ۔ جو ہیں تو فرض مگر ہر ایک پر نہیں ۔ انہیں فرض کفایہ کہتے ہیں ۔ مثلاً نماز جمعہ اور نماز جنازہ اور کچھ نمازیں ایسی ہیں جو سُنّت ہیں مثلاً تہجد کی نماز ، جو رسول اللہؐ پر تو فرض تھی مگر امت کے لیے سنت موکدہ ہے۔ پھر کچھ نمازیں نفل کی حیثیت رکھتی ہیں مثلاً چاشت اور اوابین اور شکرانہ کے نوافل جن کا کوئی وقت مقرر نہیں اور کچھ نمازیں ایسی ہیں جن کا تعلق صرف حالات سے ہوتا ہے ۔ مثلاً نماز استسقاء نماز خسوف اور کسوف وغیرہ ۔

اب دیکھئے فرض نمازوں اور بالخصوص فرض رکعات کا تارک کافر ہے ۔ فرض کفایہ اور سُنّت موکدہ کا تارک گنہگار ہوتا ہے اور نوافل کی عدم ادائیگی سے کچھ بھی نہیں بگڑتا ۔ لیکن ادائیگی کے فائدے ضرور ہیں ۔ ایک فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ فرائض کی کمی ان سے پوری کر دی جاتی ہے ۔ دوسرے نوافل میں کثرت ترقی درجات کا سبب بنتی ہے ۔ لہذا جہاں تک ہو سکے ان سے بھی غافل نہ رہنا چاہیے ۔

ترغیبات کی حد

نوافل جتنے بھی بجا لائے جائیں تقرب الٰہی کا ذریعہ بنتے ہیں تاہم ان کی بھی ایک حد ہے ۔ جو شریعت نے مقرر کر دی ہے ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص[۱]

---

[۱] یہی عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں جنہیں رسول اللہ نے احادیث لکھنے کی اس وقت اجازت دی تھی جبکہ دوسروں کو نہ تھی ۔ احادیث کے اس دفتر کا نام آپ نے صادقہ رکھا تھا جو تقریباً ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھا ۔ آپ جب بوڑھے ہو گئے ۔ تو ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن روزے رکھنے کی طاقت نہ رہی ۔ اس

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے)

کا آپ کے والد نے نکاح کیا تو آپ اپنی بیوی سے چنداں دلچسپی نہ رکھتے اور ساری رات نماز میں گزار دیتے۔ اور دن کو روزہ رکھ لیا کرتے۔ ان کی اس بات سے آپؓ کے والد بھی پریشان تھے اور بیوی بھی۔ آخر باپ نے اس بات کا رسول اکرمؐ سے شکوہ کیا تو آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو بلایا اور فرمایا "میں نے سنا ہے کہ تم رات بھر قیام کرتے ہو اور سوتے نہیں اور ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے ہو چھوڑتے نہیں"۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا "ہاں یا رسول اللہؐ"! آپؐ نے فرمایا "یوں کرو کہ رات کو قیام بھی کرو اور سو بھی کیونکہ تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے اور ایک ماہ میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ دس گنا اجر دیتا ہے۔ تمہارے پورے مہینہ کے روزے لکھے جائیں گے۔ حضرت عبداللہؓ کہنے لگے "یا رسول اللہ! مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے"۔ رسول اللہؐ نے فرمایا "اچھا ایک ماہ میں دس روزے رکھ لیا کرو۔ ایک دن روزہ رکھو اور دو دن چھوڑ دو"۔ حضرت عبداللہ کہنے لگے یا رسول اللہؐ مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا داؤدؑ کا روزہ رکھ"۔ حضرت عبداللہ نے پوچھا "وہ کیا ہے"؟ آپ نے فرمایا۔ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑتے تھے اور دشمن کے مقابلہ سے بھاگتے نہیں تھے[1]" (بخاری۔ کتاب الصوم۔ باب حق الاھل فی الصوم)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ دورِ نبوی میں یہ ہوا کہ تین اشخاص (حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عثمان بن مظعون) درِ نبوی پر حاضر ہوئے آپ گھر پر موجود نہ تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہؐ کی عبادت کے متعلق پوچھا۔ جب انہیں بتلایا گیا تو انہوں نے گویا اتنی عبادت کو کم سمجھا اور کہنے لگے کہاں ہم اور کہاں رسول اللہؐ، ان کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف کئے جا چکے (یعنی ہمیں ان سے زیادہ عبادت کرنا چاہیے) پھر ایک نے کہا کہ میں رات بھر قیام کیا کروں گا اور سوؤں گا نہیں۔ دوسرے نے کہا۔ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی نہ چھوڑوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں کبھی نکاح نہ کروں گا

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) وقت آپ افسوس اور حسرت سے کہا کرتے تھے کہ کاش! جو رخصت مجھے رسول اللہؐ دیتے تھے وہ میں قبول کر لیتا۔ مگر چونکہ رسول اللہؐ سے عہد کر چکے تھے لہٰذا اس کا حل یہ نکالا کہ آٹھ دس دن مسلسل افطار کرتے پھر جب طاقت کچھ بحال ہو جاتی تو اتنے ہی دن روزہ رکھ لیتے۔

[1] یعنی باری باری روزہ رکھنے کے بعد بھی حضرت داؤدؑ کی جسمانی طاقت بحال رہتی تھی۔

اور عورتوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہوں گا۔ وہ یہ باتیں کر کے گئے ہی تھے کہ اتنے میں رسول اللہ بھی تشریف لے آئے۔ انہیں اس گفتگو کا حال معلوم ہوا تو انہیں بلایا اور فرمایا:

انتم الذین قلتم کذا وکذا؟ اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی (بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب الترغیب فی النکاح)

ترجمہ:۔ کیا تم لوگوں نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں؟ خدا کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور پرہیزگار ہوں۔ اس کے باوجود میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں تو جو کوئی میری سنت کو ناپسند کرے اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نوافل بھی اسی حد تک تقرب الٰہی کا درجہ بن سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے بتلائی ہے۔ جو کوئی اس حد سے آگے بڑھے گا وہ ثواب حاصل کرنے کی بجائے الٹا معصیتِ رسول کا مرتکب قرار پائے گا اور گنہگار ہوگا۔

زکوٰۃ کی مثال بعینہٖ یہی مثال اسلام کے دوسرے اہم رکن زکوٰۃ کی بھی ہے۔ جو ہمارے موضوع سے مناسبت بھی رکھتی ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب، محل نصاب اشیاء اور زکوٰۃ کی شرح جو شریعت نے مقرر کی ہے اس کی قانونی حیثیت یہ ہے کہ اتنی شرائط کے تحت اور اتنی قلیل مقدار میں بھی انفاق فی سبیل اللہ نہ کرنے والا (قانونی زبان میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا) دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ جس طرح فرض نماز کا تارک کافر ہے بعینہٖ اسی طرح فرض صدقہ (زکوٰۃ) کا منکر بھی کافر ہے اور اس بات کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کیا تھا۔

فرضی صدقہ یعنی زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقات کا میدان بھی نفلی نمازوں کی طرح بہت وسیع ہے اور ان کی بھی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً

واجبی صدقات واجبی صدقات بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو مختلف گناہوں کے کفارے ہیں مثلاً

۱:۔ جو شخص احرام کی حالت میں شکار کرے اس پر اس شکار کی مثل جانور یا اس کا عوض (نقدی وغیرہ کی

صورت میں) صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے ۔ یا اس عوض کے برابر مسکینوں کو کھانا کھلانا ضروری ہے ۔
(سورۂ مائدہ : ۹۵)

۲ :۔ فرضی روزہ توڑنے کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی ہے اور غلام آزاد کرنا بھی ۔
(بخاری ۔ کتاب الصوم باب اذا جامع ....)

۳ :۔ اسی طرح شکار کرنے والے کے کفارہ کی ایک شکل ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ۔ (مجادلہ : ۴)

۴ :۔ قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں پوشاک مہیا کرنا یا غلام آزاد کرنا ہے (مائدہ ۸۹)

۵ :۔ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں اس کا فدیہ بھی ایک مسکین کا دو وقت کا کھانا ہے ۔
(بقرہ : ۱۸۴)

۶ :۔ قتل عمد ہو یا خطا ، اس میں غلام آزاد کرنا واجب ہے ۔ (سورہ النساء : ۹۲)

یاد رہے ان تمام قسم کے کفاروں اور صدقات کا فائدہ معاشی لحاظ سے کمزور طبقہ کو پہنچتا ہے ۔

اور دوسری قسم کے واجبی صدقات ایسے ہیں جن کے ذریعہ اسلامی تہواروں یا عیدین کے موقعہ پر غریبوں کو عید کی خوشی میں شریک بنایا جاتا ہے ۔ عید الفطر کے موقعہ پر صدقہ فطر یا فطرانہ واجب ہے ۔ اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کو ہر صاحب استطاعت کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے ۔ قربانی کے گوشت کا زیادہ سے زیادہ تہائی حصہ گھر میں رکھا جا سکتا ہے ۔ باقی گوشت اقربا کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور کھال بھی صدقہ کے طور پر دینا ضروری ہے

اختیاری صدقات اختیاری صدقہ کو نفلی صدقہ بھی کہا جاتا ہے ۔ ایسے صدقات اختیاری صرف اس لحاظ سے ہوتے ہیں کہ ان میں صدقہ کی مقدار یا کوئی خاص وقت متعین نہیں ہوتا ۔ یعنی کوئی شخص جب چاہے اور جتنا چاہے اور جسے چاہے دے سکتا ہے ۔ ایسے صدقات کی ادائیگی کے بھی وہی فوائد ہیں جو نماز کے نوافل کے ہوتے ہیں یعنی اگر فرائض میں کمی رہ گئی ہو تو ایسے صدقات سے پوری کر دی جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ یہی صدقات تقرب الٰہی کا ذریعہ بنتے ہیں لہٰذا ۔ ایسے صدقات کی ادائیگی صرف اہل ثروت کے لیے ہی ضروری نہیں بلکہ تنگدست حضرات کو بھی ان کے لیے بہت ترغیب دی گئی ہے ۔ لہٰذا تنگدست حضرات کو بھی اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیے ۔ ان کے لیے بھی بخل کے مرض سے نجات اور نفس کا تزکیہ ایسے ہی ضروری ہے جیسے صاحب حیثیت لوگوں کے لیے ضروری

ہے۔ ایسے صدقات کا میدان بھی بہت وسیع ہے۔ غریبوں کو قرض حسنہ۔ قرضہ حسنہ معاف کر دینا کسی قرض تلے دبے ہو۔ ئے کا قرض اتار کر اسے اس بوجھ سے نجات دلانا۔ بیواؤں یتیموں کا خیال رکھنا اپنے قریبی رشتہ داروں اور ہمسایوں میں سے غریب محتاج لوگوں کی دست گیری کرنا۔ دینی اداروں سے تعاون اور مساجد کی آبادی و تعمیر میں حصّہ لینا۔ خیراتی اور باہمی تعاون کے اداروں میں شریک ہونا۔ غرضیکہ ان صدقات کا میدان فرضی صدقات کے میدان سے بہت زیادہ وسیع ہے اور ایسے صدقات کی حد جو قرآن نے بتلائی ہے وہ یہ ہے :

صدقات کا بلند ترین درجہ

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (۲/۲۶۹)

اے پیغمبرؐ! آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ ان سے کہہ دیجئے جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہے۔

اسی چیز کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی :

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : من کان لہ فضل من ظھرٍ فلیعد بہ علیٰ من لا ظھر لہ ومن کان لہ فضلٌ من زادٍ فلیعد بہ علیٰ من لا زاد لہ فذکر من اصناف المال ما ذکر حتی رأینا انہ لا حق لاحدٍ منا فی فضل۔ (المحلی ج ۶ ص ۱۵۷/۱۵۸)

ترجمہ :۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس کے پاس فالتو سواری ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس ضرورت سے زائد زادِ راہ ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں ہے۔ راوی ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ آپؐ نے مال کی ایک ایک قسم کا ایسے ہی جُدا جُدا ذکر کیا۔ یہاں تک کہ ہم یہ سمجھنے لگے کہ ہم میں سے کسی کا بھی اپنے زائد مال میں کوئی حق نہیں ہے۔

گویا شریعت نے انفاق فی سبیل اللہ کا کم سے کم درجہ بھی بتلا دیا اور وہ ہے فرضی زکوٰۃ کی ادائیگی جو کفر و اسلام کی حد پر واقع ہے اور زیادہ سے زیادہ درجہ بھی بتلا دیا اور وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنی ضرورت سے زائد سب کچھ اللہ کی راہ میں دے دے۔ ان دونوں درجوں کے درمیان بہت وسیع میدان

ہے ۔جس میں ہر مسلمان اپنی ہمت اور کوشش کے مطابق خرچ کر کے اسی مناسبت سے تقرب الٰہی اور بلند درجات حاصل کر سکتا ہے ۔

صدقہ کی آخری حد پھر جس طرح شریعت نے نماز کے نوافل اور نفلی روزے کی حد مقرر کر دی ہے اسی طرح صدقہ کی بھی حد مقرر کر دی ہے ۔ آپؐ نے فرمایا : خَیْرُ الصَّدَقَۃِ مَا کَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنیً (بخاری ۔کتاب الوصایا باب ... من بعد وصیۃٍ... صدقہ اتنا ہی بہتر ہے جس کے بعد انسان خود محتاج نہ ہو ۔گویا ایسا صدقہ جو ضرورت سے زائد ہونے کے بجائے خود کو بھی ضرورت میں مبتلا کر دے یا محتاج[لہ] بنا دے ۔ ایسا صدقہ کرنا نیکی کا کام نہیں بلکہ معصیتِ رسولؐ فلہذا گناہ میں شمار ہوگا ۔

مندرجہ بالا دونوں مثالوں میں زکوٰۃ کی مثال تو ہمارے حسب حال اور ہمارے موضوع سے گہری مناسبت رکھتی ہے ۔ اسی مثال کی مزید وضاحت کے لیے نماز کی مثال بھی پیش کی گئی ہے ۔ان دونوں مثالوں سے درج ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے ۔

ا ۔شریعت نے ہر نیک عمل کی نچلی حد اور اوپر کی حد مقرر کر کے ہر ایک کے سعی و عمل کے لیے بڑا وسیع میدان مہیا کر دیا ہے ۔

لہ ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انبیاء کے لیے کچھ خاص احکام ہوتے ہیں جن کے لیے اُمت مکلف نہیں ہوتی جب حال مثالیں یہ ہیں کہ رسول اللہؐ پر نماز تہجد فرض تھی ۔اُمت پر فرض نہیں ہے ،آپ وصلی روزے رکھتے تھے ۔یعنی روزہ کھولے بغیر ہی دن کا روزہ شروع ہو جاتا ۔اس طرح کئی کئی دن متواتر آپ افطار نہ فرماتے لیکن ایسے روزے سے آپ نے امت کو منع فرما دیا ۔انبیاء کا ترکہ بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے جبکہ دوسروں کا ترکہ تقسیم ہونا ضروری ہے ۔ اسی طرح عام مسلمانوں کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ اس حد تک ہی صدقہ کر سکتے ہیں کہ بعد میں خود محتاج نہ ہو جائیں ۔لیکن آپ اس حکم سے مستثنیٰ تھے اور قرض اٹھا کر بھی صدقہ کر دیا کرتے تھے ۔ امت پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے ۔لیکن آپ کے پاس کبھی اتنا مال جمع نہ ہوا کہ زکوٰۃ ادا کرنے کی نوبت آئے ۔آپ صدقہ کے اس کم تر درجہ کو کیونکر گوارا فرما سکتے تھے ؟

۲ ۔ ارکان کے سلسلہ میں نچلی حد اسلام اور کفر کی درمیانی حد ہوتی ہے ۔ جسے کسی حکم کی قانونی حیثیت کہہ سکتے ہیں اور فتویٰ اسی کے مطابق دیا جا سکتا ہے ۔

۳ ۔ اسلام نے قانون پر بہت کم انحصار کیا ہے ۔ اس کی تعلیمات کا بیشتر حصّہ اخلاقیات اور ترغیبات پر مشتمل ہے اور انہی ذرائع سے وہ نفوس کا تزکیہ اور معاشرہ کی ناہمواریوں کو دور کر کے اسکی تطہیر کرنا چاہتا ہے اس تمہید کے بعد اب ہم اپنے اصل موضوع اسلام اور فاضلہ دولت کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔

فاضلہ دولت اور اسلام

ہمارا موضوع یہ ہے کہ آیا ایک مسلمان اپنے پاس فاضلہ دولت رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟ بالفاظ دیگر یہ سوال یوں ہوگا کہ آیا اسلام میں دولت مند بننے یا بنے رہنے کا جواز ہے ؟ اس سوال کا جواب مندرجہ بالا تمہیدی تصریحات کی روشنی میں نہایت آسانی سے یوں دیا جا سکتا ہے کہ جہاں تک جواز کے فتویٰ کا تعلق ہے ۔ تو یہ جواز ضرور موجود ہے ۔ اگرچہ فضائل اعمال کے لحاظ سے یہ کمتر درجہ ہے ۔

موجودہ دور میں اس مسئلہ نے ایک اختلافی اور پیچیدہ سی صورت اختیار کر لی ہے اور اس کی وجوہ دو ہیں ۔ ایک تو یہ کہ اشتراکیت سے متاثر حضرات فاضلہ دولت کو اپنے پاس رکھنا جائز ہی نہیں گناہ سمجھتے ہیں اور اپنے اس موقف کا زور شور سے پرچار کر رہے ہیں ۔ وہ اس سلسلہ میں حضرت ابوذر غفاری کا موقف پیش کرتے ہیں ۔ جو فاضلہ دولت کو اپنے پاس رکھنا حرام سمجھتے تھے ۔ دوسری وجہ ایسے مسلمانوں کا طرز عمل ہے جو فاضلہ دولت کے جواز سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ دولت کی محبت ان کے دلوں میں گھر کر چکی ہے ۔ انہوں نے فرضی زکوٰۃ کے علاوہ ترغیبی صدقات پر عمل کرنا یکسر ترک کر دیا ہے ۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ وہ فرضی زکوٰۃ کے علاوہ کچھ دینا جرم سمجھتے ہیں تو بھی بے جا نہ ہوگا ۔ بلکہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ایسی بھی ہے جو زکوٰۃ تک بھی ادا کرنے کی روادار نہیں ۔ حیرانگی کی بات ہے کہ نماز کے نوافل کے سلسلہ میں آج کا مسلمان بھی بہت حد تک دلچسپی رکھتا ہے ۔ اکثر مسلمان فرض رکعات کے علاوہ سنتیں اور نوافل بھی ادا کرتے ہیں ۔ کم از کم رمضان میں نماز تراویح بھی ادا کرتے ہیں ۔ جمعہ اور عیدین کا فرض نمازوں سے بھی زیادہ خیال رکھتے ہیں ۔ لیکن صدقات یا انفاق فی سبیل اللہ کا مسئلہ کچھ ایسا ہے کہ مسلمان بس فرضی زکوٰۃ پر کچھ اس طرح قناعت کر گیا ہے کہ اس درجہ سے آگے بڑھنے کا نام ہی نہیں لیتا ۔ اسی

وجہ سے طبقاتی تقسیم پیدا ہو جاتی ہے۔

ہمارے خیال میں دونوں فریق افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ تاہم چونکہ دونوں فریق اپنے دلائل کتاب و سنت اور تعاملِ اُمت سے پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کے دلائل کا موازنہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

فاضلہ دولت یا اکتناز کے حق میں دلائل

۱۔ آیۂ اکتناز اور حضرت عمرؓ کا استفسار درج ذیل آیات میں فاضلہ دولت رکھنے والوں کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ تاہم انہی آیات سے فریقین اپنے اپنے حق میں دلیل اخذ کرتے ہیں۔ لہٰذا ان آیات کو اس بحث کے دوران ہر وقت مدنظر رکھنا چاہیے۔ ارشاد باری ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ التوبہ: ۳۴ - ۳۵

ترجمہ: ۔ اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے جس دن وہ خزانہ آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائیگا (اور کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم اپنے لیے خزانہ بنا رہے تھے۔ سو اب تم اس خزانے کا مزہ چکھو۔

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو صحابہ کرامؓ اس بات سے بہت پریشان ہوئے کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ تو اپنی ضرورت سے زائد بچا کر رکھتا ہی ہے اور جو چیز بھی ضرورت سے زائد پاس موجود ہو وہی کنز ہوتا ہے۔ جس پر ایسی سخت وعید نازل ہوئی ہے۔ جب یہ چرچا ہوا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں اس بارے میں رسول اللہؐ سے پوچھتا ہوں۔ حضرت عمرؓ کے پیچھے پیچھے حضرت ثوبانؓ بھی چلے گئے۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کے سوال پر فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لیے مقرر فرمائی ہے کہ باقی مال پاک ہو جائے۔

(یعنی زکوٰۃ کے بعد وہ مال کنز کی تعریف میں نہیں آتا) (تفسیر ابن کثیر زیر آیت محولہ بالا بحوالہ مسند احمد)

اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک مختصر سی روایت صحیح بخاری میں اس طرح آئی ہے۔

عن خالد بن اسلم قال خرجنا مع عبد الله بن عمر فقال: هٰذا قبل ان تنزل الزكوٰة فلمّا انزلت جعلها الله طهورًا للاموال۔

(بخاری۔ کتاب التفسیر زیر آیت محولہ بالا)

ترجمہ:۔ خالد بن اسلم کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ نکلے تو آپ نے کہا کہ یہ آیت (الذین یکنزون الذهب والفضة ....) اس وقت کی ہے جب زکوٰۃ کا حکم نہیں اترا تھا۔ پھر جب زکوٰۃ کا حکم اترا تو اللہ نے زکوٰۃ سے اموال کو پاک کر دیا۔

زکوٰۃ اگرچہ ۲ھ ہجری میں فرض ہو چکی تھی تاہم یہ حکم انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کرنے سے متعلق تھا۔ سورۃ توبہ کے حصہ کا (جس میں یہ آیۃ اکتناز شامل ہے) کا زمانہ نزول اواخر ذی قعدہ ۹ھ ہے۔ اس سے دو تین ماہ پیشتر یعنی جنگ تبوک (رجب ۹ھ) سے واپسی کے بعد زکوٰۃ سے متعلق وہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو بحیثیت سربراہ مملکت اسلامی زکوٰۃ کو اجتماعی طور پر وصول کرنے کا حکم بدیں الفاظ دیا گیا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (۹/۱۰۳)

ترجمہ:۔ اے پیغمبر! آپ ان (صحابہؓ) کے اموال سے صدقہ (فرضی یعنی زکوٰۃ) وصول کر کے (ان کے اموال کو) پاک اور (ان کے نفوس کا) تزکیہ کیجئے۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ اگر انسان زکوٰۃ ادا کر دیا کرے اور مال حلال ذرائع سے کمایا گیا ہو۔ تو فاضلہ دولت اپنے پاس بچے رہنے میں چنداں مضائقہ نہیں۔

۲۔ دوسری دلیل احکام میراث

احکام میراث مدنی دور کے آخری حصہ میں نازل ہوئے بالخصوص کلالہ کی میراث کے احکام تو آپ کی زندگی سے چند ماہ پیشتر ہی نازل ہوئے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر فاضلہ دولت پاس رکھنے کا جواز ہی نہ ہو تو احکام میراث کے نزول کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کی آخری زندگی میں احکام میراث کا نزول فاضلہ دولت کے جواز کا واضح ثبوت ہے۔

۳۔ ارکان اسلام کی بجا آوری | ارکان اسلام میں سے کم از کم دو رکن ۔ زکوٰۃ اور حج ۔ ایسے ہیں ۔ جن کی تعمیل صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے ۔ کہ فاضل دولت انسان کے پاس موجود ہو ۔ اجتماعی زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم ۹ھ میں نازل ہوا اور اسی طرح حج بھی ۹ھ میں فرض ہوا ۔ آپ کی زندگی کے آخری ایام میں اجتماعی زکوٰۃ اور حج کی فرضیت کے احکام کا نزول اس بات کی واضح دلیل ہے ۔ کہ اسلام میں فاضلہ دولت کا پاس رکھنا ہی ناجائز ہو تو ان احکام کے نزول کا کچھ فائدہ نہ تھا ۔

۴۔ عورتوں کا مہر | اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ (۴/۱۹)

ترجمہ :۔ اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنا چاہو اور پہلی عورت کو ایک خزانہ بھی دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو ۔

اب یہ عورتوں کو خزانہ دینا خواہ مہر کی صورت میں ہو یا نفقہ اور یا ہدیہ کی صورت میں اسی صورت میں ممکن ہے کہ قنطار اپنے پاس رکھنے کا جواز بھی موجود ہو ۔ گویا یہ آیت بھی فاضلہ دولت کے جواز کا واضح ثبوت ہے ۔

تعاملِ صحابہ کرامؓ

اس سلسلہ میں ہمیں کم از کم چار ایسے صحابہ کرام نظر آتے ہیں ۔ جو دینی لحاظ سے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود امیر کبیر بھی تھے ۔ دینی لحاظ سے ان کی جلالت شان اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ یہ سب صحابہ کرام عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ۔ بہ لحاظ دولت ان کی ترتیب کچھ اس طرح ہے :

۱۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ (م ۳۱ھ) | دینی لحاظ سے آپ کا مرتبہ یہ ہے کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ۔ حضرت عمرؓ نے بوقت وفات اپنے بعد خلافت کے لیے جن چھ اشخاص کو نامزد فرمایا ۔ ان میں سے ایک آپ بھی تھے ۔ بعد میں خلیفہ کے انتخاب کا اختیار بھی آپ ہی کے سپرد ہوا اور آپ نے بطور خلیفہ حضرت عثمانؓ کو منتخب

فرمایا ۔ حضرت عمرؓ کی شوریٰ کے رکن تھے ۔ جب حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینوں کو قومی تحویل میں لینے کا ارادہ کیا تھا ۔ تو آپ نے اور حضرت بلالؓ نے اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی اتنی شدید مخالفت کی کہ ناک میں دم کر دیا تھا اور یہ مخالفت بھی بر بنائے استدلال تھی ۔

آپ نے مدینہ آتے ہی تجارت کا کاروبار شروع کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مال میں بہت زیادہ برکت دی ۔ آپ زندگی بھر دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے ۔ پھر بھی جب آپ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو وصیت فرمائی کہ :

ا : ۔ اس وقت جس قدر بدری صحابہؓ موجود ہیں ۔ ان سب کو چار چار سو دینار پیش کئے جائیں ۔ اس وقت ایک سو سے زائد بدری صحابہؓ بقید حیات تھے ۔ ان سب نے یہ رقم بخوشی قبول کی حتیٰ کہ حضرت عثمان غنیؓ نے بھی اپنا حصّہ وصول کیا اور وہ اس وقت خود خلیفہ تھے ۔ (اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۱۳)

ب : ۔ پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیے جائیں (حوالہ ایضاً)

اس وصیّت کے بعد جب ترکہ تقسیم ہوا تو آپ کی تین بیویوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ دینار ملا ۔ گویا ۲۴ لاکھ دینار تو وصیّت کی ادائیگی کے بعد بصورت زرِ نقد یا فاضلہ دولت موجود تھا علاوہ ازیں آپ نے ایک ہزار اونٹ ۳ ہزار بکریاں اور سو گھوڑے ورثہ میں چھوڑے تھے ۔

۲ ۔ حضرت زبیر بن عوامؓ (م ۳۶ ھ)

رسول اللہ صلعم کے پھوپھی زاد بھائی اور آپ کے ہم زلف حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بڑے داماد ۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ۔ رسول اللہ صلعم نے ایک موقعہ پر آپ کو اپنا حواری قرار دیا (بخاری ۔ کتاب المناقب باب مناقب الزبیر بن العوام) اور ایک دوسرے موقعہ پر آپ کے جذبہ جانثاری کو " فداک ابی وامی " (آپ پر میرے ماں باپ قربان) کے خطاب سے نوازا تھا (حوالہ ایضاً) حضرت عمرؓ نے بوقت وفات خلیفہ کے انتخاب کے لیے جن چھ اشخاص کو نامزد کیا تھا ان میں سے ایک آپ بھی تھے اور حضرت علیؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے ۔ دورِ عثمانی میں ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے سامنے استخلاف کے سلسلہ میں حضرت زبیر بن عوامؓ کا نام آیا تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا : " واللہ زبیر بن عوام سب لوگوں سے بہتر ہیں (بخاری حوالہ ایضاً) آپ ہی کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر معاویہ کے بعد حجاز کے علاقہ پر سات برس تک بطور خلیفۃ المسلمین حکومت کی ۔

آپ تاجر بھی تھے اور زمیندار بھی۔ خود رسول اللہؐ نے آپ کو خیبر کے نخلستانوں میں سے ایک نخلستان عطا کیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی بروایت عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہؐ نے آپ کو ایک بہت بڑا قطعۂ ارض عطا فرمایا تھا (بخاری۔ ابو داؤد۔ احمد) آپ کا اپنا بیان ہے کہ آپ نے جس کام میں بھی ہاتھ ڈالا اس میں کبھی نقصان نہ ہوا۔ آپ کا ایک مکان کوفہ میں ایک مصر میں، دو بصرہ میں اور گیارہ مکان مدینہ میں تھے اور باغات بھی بہت تھے (بخاری۔ کتاب الجهاد والسير باب بركة الغازي في ماله ....) آپ زندگی بھر دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے۔ اگر کوئی سائل آجاتا اور آپ کے پاس نقد کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر بھی اس کی حاجت پوری کر دیا کرتے تھے۔ جب آپ وفات پانے لگے تو ۲۲ لاکھ درہم اسی طرح کا قرض سر پر تھا۔ آپ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو بلا کر وصیت فرمائی کہ پہلے قرض اتارا جائے۔ بعد میں صدقہ وخیرات کیا جائے۔ اس کے بعد ترکہ تقسیم کیا جائے۔ ترکہ کی تقسیم میں آپ کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بارہ لاکھ درہم ورثہ میں نقد ملا ہے۔ گویا آپ کی بقایا نقد جائیداد ۳۸۴ لاکھ درہم یا تین کروڑ چوراسی لاکھ درہم تھی۔ جبکہ آپ کی کل جائیداد پانچ کروڑ دو لاکھ ہوئی (بخاری کتاب الجهاد والسير باب بركة الغازي في ماله ....)

۳۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ م ۳۶ھ

آپ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اور ان چھ اصحاب میں سے بھی ہیں۔ جنہیں حضرت عمرؓ نے خلافت کے لیے منتخب کیا تھا۔ آپ حضرت عثمانؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے۔

آپ تاجر تھے، مختلف ممالک میں سفر کر کے تجارت کو خوب فروغ دیا۔ آپ نے ہر ملک میں غیر منقولہ جائیدادیں بھی خریدیں۔ انفاق فی سبیل اللہ میں دل کھول کر حصہ لیتے تھے۔ ایک دن سخت پریشان بیٹھے تھے۔ بیوی نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے: "میرے پاس بہت بڑی رقم جمع ہو گئی ہے سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں؟" بیوی نے کہا: غربا میں بانٹ دیجئے۔ چنانچہ آپ نے اپنی لونڈی کو بلا کر چار لاکھ کی خطیر رقم اپنی قوم کے غربا میں تقسیم کرا دی۔

یتیم کے تمام محتاج اور تنگدست خاندانوں کی کفالت، غریب لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کی شادی کرنا اور مقروضوں کا قرض ادا کرتے رہنا آپ کا خاص شیوہ تھا۔ صبیحہ تیمی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھ پر تیس ہزار درہم قرض ہو گیا۔ جس کی وجہ سے میں پریشان تھا۔ آپ نے سنا تو یہ سارا قرض اپنے

پاس سے ادا کر دیا۔

آپ کے بیٹے موسیٰ بن طلحہ سے امیر معاویہؓ نے پوچھا، آپ کے والد نے ترکہ چھوڑا تھا؟ موسیٰ نے کہا: زندگی بھر کی داد و دہش اور صدقہ و خیرات کے باوجود ہمارے لیے بائیس لاکھ درہم، دو لاکھ دینار چھوڑے۔ اس کے علاوہ کثیر سونا چاندی بھی جس کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳)

۴۔ حضرت عثمان بن عفان م ۳۵ھ

آپ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور تیسرے خلیفہ راشد بھی۔ رسول اللہ ﷺ کے دو ہرے داماد یعنی ذوالنورین ہیں۔ اس قدر باحیا کہ فرشتے بھی شرمائیں۔ دولت مند اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے تو اور بھی صحابہ موجود تھے۔ مگر غنی کا لقب صرف آپ ہی کے حصہ میں آیا۔ صرف اسی ایک بات سے آپ کے صدقہ و خیرات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ سخاوت کے تین واقعات پر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو جنت کی بشارت دی تھی۔

۱۔ مسجد نبوی کی توسیع کے کل اخراجات آپ نے اکیلے برداشت کئے تو آپ کو جنت کی بشارت ملی۔

۲۔ یہودیوں سے بیر رومہ خرید کر وقف کیا تو بھی جنت کی بشارت ملی۔

۳۔ جنگ تبوک کے موقعہ پر آپ نے کئی بار صدقہ دے دے کر رسول اللہ ﷺ کو اتنا خوش کیا کہ آپ نے فرمایا:

مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمَ۔

(ترمذی و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۲)

ترجمہ:۔ آج کے بعد عثمانؓ جو کچھ بھی کرے، اس کا کوئی کام اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔

نیز یہ بھی فرمایا:

اِنِّیْ قَدْ رَضِیْتُ عَنْ عُثْمَانَ فَارْضَ عَنْهُ (حاکم)

ترجمہ:۔ الٰہی! میں عثمان سے خوش ہو گیا ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

پھر سب موجود صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ تم بھی آمین کہو۔

آپ نے اپنے ۱۲ سالہ دور خلافت میں حق الخدمت کے طور پر بیت المال سے ایک پائی بھی نہ لی۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت ان کا وظیفہ پانچ ہزار درہم سالانہ تھا۔ اس لحاظ سے آپ نے کم از کم ساٹھ ہزار درہم کی گرانقدر رقم ایثار کے طور پر مسلمانوں کے لیے چھوڑ دی تھی (طبری ص ۷۲)

اس قدر داد و دہش کے باوجود بھی آپ نے تین لاکھ درہم نقد، ایک ہزار اونٹ اور بہت سی جائیداد غیر منقولہ بھی چھوڑی۔

یہ ہیں وہ دلائل جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں ضرورت سے زائد دولت صرف جائز ہی نہیں بلکہ عین خیر و برکت ہے۔ ترکہ کو خود اللہ تعالیٰ نے خیر کہا ہے اور اس زائد دولت سے انسان اگر چاہے تو بہت سے فضائل اعمال بجا لا سکتا ہے۔

اکتناز دولت کے عدم جواز کے دلائل

اب اس مسئلہ کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ جو حضرات فاضلہ دولت اپنے پاس رکھنے کو ناجائز سمجھتے ہیں ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ آیۃ اکتناز اور اختلاف صحابہؓ فاضلہ دولت سے متعلق آیۃ اکتناز کی تشریح میں پہلے لکھا جا چکا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک زکوٰۃ ادا کر دینے کے بعد فاضلہ دولت پاس رکھنے میں چنداں مضائقہ نہیں لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کے حکم کو عام قرار دیتے ہیں۔ یعنی ان کے خیال میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی کسی کے پاس دولت جمع ہو جائے تو اس کا یہی حکم ہے کہ قیامت کے دن اس دولت کو تپا کر اہل دولت کو داغا جائے گا۔ (دیکھئے تفسیر ابن کثیر زیر آیت متعلقہ)

اور حضرت ابو ذر غفاریؓ اس مسئلے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی زیادہ سخت تھے۔ چنانچہ احنف بن قیسؒ کہتے ہیں کہ:

"میں قریش لوگوں کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک شخص آیا جس کے بال سخت کپڑے موٹے جھوٹے اور سیدھی سادی شکل تھی۔ اس نے سلام کیا پھر کہنے لگا: "ان کو خوشخبری سنا دو کہ ایک پتھر دوزخ کی آنچ میں سینکا جائے گا۔ وہ ان کی چھاتی پر رکھ دیا جائے گا اور ان کے مونڈھے کی اوپر والی ہڈی سے پار ہو جائے گا اور ان کے مونڈھے کی اوپر والی ہڈی پر رکھا جائے گا تو چھاتی کی ہڈی سے پار ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ پتھر ڈھلکتا رہے گا۔" یہ کہہ کر اس نے پیٹھ موڑی اور ایک ستون کے پاس جا بیٹھا۔ میں نے اس سے کہا: "میں سمجھتا ہوں تمہاری یہ بات ان لوگوں کو ناگوار گزری ہے۔ وہ کہنے لگا!

یہ لوگ تو بیوقوف ہیں۔ مجھ سے میرے جانی دوست نے کہا" میں نے پوچھا تمہارا جانی دوست کون ہے؟ کہنے لگا رسول اللہؐ اور کون؟ آپ نے فرمایا: ابوذر! تو احد پہاڑ دیکھتا ہے؟ میں نے عرض کیا "جی ہاں" آپ نے فرمایا۔" میں نہیں چاہتا میرے پاس اُحد پہاڑ برابر سونا ہو۔ اگر ہو تو میں تین دینار کے علاوہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالوں" اور یہ لوگ تو بے وقوف ہیں جو روپیہ اکٹھا کرتے ہیں اور میں تو خدا کی قسم ان سے نہ تو دنیا کا کوئی سوال کروں گا نہ دین کی کوئی بات پوچھوں گا یہاں تک کہ اللہ سے مل جاؤں"۔ (بخاری - کتاب الزکوٰۃ - باب ما ادی زکوٰتہٗ ....)

۲۔ قرآن کا انداز بیان

قرآن نے جب بھی عمومی انداز سے مال و دولت کا ذکر کیا تو اسے مذموم چیز ہی ٹھہرایا ہے۔ قرآن میں کئی مقامات پر مذکور ہے کہ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ (سوائے اس کے نہیں کہ تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں) جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مال و دولت اگرچہ بذات خود "خیر" ہے۔ لیکن مال کی محبت کی وجہ سے اکثریت کے لیے یہی خیر فتنہ کا سبب بن جاتی ہے۔ لہٰذا اس سے پرہیز ہی بہتر ہے۔

۳۔ انفاق فی سبیل اللہ کے تاکیدی احکام

انفاق فی سبیل اللہ کا حکم جیسا خوشحالی کے دور میں ہے ویسا ہی تنگدستی کے دور میں بھی ہے نیز یہ حکم صرف امیروں کے لیے ہی نہیں حسب مقدار غریبوں کے لیے بھی ہے۔ ابتدائے اسلام کا زمانہ نہایت عسرت کا زمانہ تھا۔ اس دور میں بھی انفاق فی سبیل اللہ کے نہایت تاکیدی اور ترغیبی احکامات دیے گئے ہیں (جیسے سورہ ہمزہ اور ماعون میں) جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ضرورت سے زائد مال و دولت کی گنجائش کم ہی نظر آتی ہے۔

۴۔ رسول اللہؐ کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو مخاطب کر کے فرمایا:

۱۔ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۱۸/۲۸)

ترجمہ:۔ اور تمہاری نگاہیں ان سے آگے نہ لڑیں کہ تم آرائش زندگی دنیا کے خواستگار بن جاؤ۔

۲۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (۱۵/۸۸) (۳۱/۱۳۰)

ترجمہ:۔ ہم نے (کافروں کی کئی) جماعتوں کو فوائد دنیوی سے فائدہ دیا ہے تو تم ان کی طرف آنکھیں بھی نہ اُٹھاؤ۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سامان زیست کی افراط جو فاضلہ دولت ہی کا دوسرا نام ہے۔ کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ لہٰذا یہ فاضلہ دولت اس کے رسولؐ کے ہاں کیونکر پسندیدہ ہو سکتی ہے۔

۵۔ ضرورت سے زائد مال

انفاق فی سبیل اللہ کے بکثرت اور تاکیدی احکام کے بعد صحابہؓ نے جب رسول اللہؐ سے یہ پوچھا کہ وہ اپنے مال میں سے کیا کچھ خرچ کریں تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں دیا کہ:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (۲/۲۱۹)

ترجمہ: ۔ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیجئے۔ جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو۔

اگرچہ ضرورت سے زائد مال کو فی سبیل اللہ خرچ کر دینے کا حکم وجوب کا درجہ نہیں رکھتا۔ تاہم استحباب اور فضیلت اسی میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات

۱۔ رسول اللہؐ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو بحرین سے جزیہ لانے کے لیے بھیجا۔ جب حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ جزیہ کا مال لے کر واپس آئے۔ تو اگلے دن صبح کی نماز میں معمول سے زیادہ لوگ شریک ہوئے اور سلام پھیرتے ہی (حل مطلب کے طور پر) آپ کے سامنے آئے۔ آپؐ بات سمجھ کر مسکرا دیئے اور فرمایا تم خوش ہو جاؤ اور خوشی کی امید رکھو (یعنی تم کو ضرور روپیہ ملے گا) پھر فرمایا۔

فَوَاللّٰهِ مَا الْفَقْرُ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا فَتُلْهِيَكُمْ كَمَا اَلْهَتْهُمْ (بخاری۔ الرقاق۔ باب ما یحذر....)

ترجمہ: ۔ خدا کی قسم مجھ کو تمہاری محتاجی کا کچھ ڈر نہیں ہے۔ بلکہ مجھ کو تو یہ ڈر ہے کہ تم پر سامان زیست کی یوں فراوانی ہو جائے جیسے کہ اگلے لوگوں پر ہوئی اور تم بھی اسی طرح دنیا کے پیچھے پڑ جاؤ جس طرح وہ پڑ گئے اور یہ مال کی کشادگی تمہیں آخرت سے اسی

طرح غافل نہ کر دے جس طرح ان لوگوں کو کیا تھا۔

۲۔ پھر ایک دفعہ آپ نے یوں فرمایا:

وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوا بَعْدِیْ وَلٰکِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا (بخاری۔ حوالہ ایضاً)

ترجمہ:۔ خدا کی قسم! مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگ جاؤ گے بلکہ میں تو اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم کہیں دنیا پر ریجھ نہ کرنے لگ جاؤ۔

۳۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ ایک رات میں گھر سے نکلا تو دیکھا کہ رسول اللہؐ ایک جا رہے ہیں۔ چاندنی رات میں انہوں نے مجھے دیکھ کر پاس بلا لیا۔ میں تھوڑی دیر آپ کے ساتھ چلتا رہا۔ پھر آپ نے فرمایا:

اِنَّ الْمُکْثِرِیْنَ ھُمُ الْمُقِلُّوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا مَنْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ خَیْرًا فَنَفَحَ فِیْہِ یَمِیْنَہٗ وَشِمَالَہٗ وَبَیْنَ یَدَیْہِ وَوَرَائَہٗ وَعَمِلَ فِیْہِ خَیْرًا۔ (بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب المکثرون...)

ترجمہ:۔ بیشک قیامت کے دن بہت مال و دولت رکھنے والے ہی زیادہ نادار ہوں گے مگر جسے اللہ نے دولت دی تو اس نے اپنے دائیں سے، بائیں سے آگے سے اور پیچھے سے ہر طرف سے دولت کو (اللہ کی راہ میں) لٹا دیا اور اس مال سے بھلائی کمائی۔

۴۔ حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہؐ کے ساتھ جا رہا تھا۔ جاتے جاتے جب اُحد پہاڑ نظر آیا۔ تو رسول اللہؐ نے مجھے بلایا اور کہا: ابو ذر! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اگر اس پہاڑ برابر سونا میرے پاس ہو تو مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ تین دن تک میرے پاس اس میں سے ایک اشرفی بھی رہ جائے اِلا یہ کہ مجھ پر کسی کا قرض ہو۔ میں اسے دائیں سے، بائیں سے آگے سے پیچھے سے ہر طرف سے بانٹ کر ختم کر دوں۔ پھر فرمایا۔ قیامت کے دن بہت مالدار ہی بہت نادار ہوں گے۔ مگر جس نے دائیں سے بائیں، آگے سے پیچھے سے ہر طرح خرچ کیا (جوڑ کر نہ رکھا) پھر فرمایا وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ (ایسے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں) (بخاری۔ کتاب الرقاق، باب..... مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا)۔

۵ ۔ عمران بن حصین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اطلعت فی الجنۃ فرأیت اکثر اھلھا الفقراء (باب فضل الفقر)

ترجمہ :۔ میں نے جنت میں جھانکا تو دیکھا کہ وہاں ان لوگوں کی کثرت ہے جو دنیا میں محتاج تھے ۔

۶ ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ :

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقراء المھاجرین یدخلون الجنۃ قبل اغنیائھم بخمسمأۃ عام

(ترمذی ۔ ابواب الزھد ، باب ۔ اِنَّ فُقَرَاء...)

ترجمہ :۔ ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ محتاج مہاجرین دولت مند مہاجرین سے پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہوں گے ۔

اُسوۂ حسنہ

۱ ۔ ان ارشادات کے بعد اب آپ کی عملی زندگی کا جائزہ لیجئے ۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے کسی حصّہ میں ضرورت سے زائد مال کو اپنے پاس رکھنا پسند نہیں فرمایا ۔ آپ کے پاس سب سے پہلے دولت اس وقت ہاتھ آئی ۔ جب آپ نے حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا ۔ حضرت خدیجہؓ ایک مالدار خاتون تھیں اور اپنے مال سے تجارت کرتی تھیں ۔ نکاح کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنا سارا مال بمعہ غلام زید بن حارثہ رسول اللہؐ کو دے دیا تھا ۔ اور آپ نے اس سارے مال و دولت کو اپنی بعثت سے پہلے ہی خرچ کر ڈالا تھا ۔ یہ مال آپ نے کن مدّات میں خرچ کیا تھا ؟ یہ شہادت بھی حضرت خدیجہؓ ہی کی زبانی سنئے ۔ جب آپ پر پہلی بار غار حرا میں وحی نازل ہوئی اور آپ گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ کو کہا کہ مجھے چادر اڑھا دو ، مجھے اپنی جان کا بھی خطرہ ہو چلا ہے ۔ تو اس وقت حضرت خدیجہؓ نے فرمایا :

کَلَّا وَاللہِ مَا یُخْزِیْکَ اللہُ اَبَدًا اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْکَلَّ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتُقْرِیْ الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی

نَوَائِبِ الحق (بخاری۔ کتاب الوحی)

ترجمہ:۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ خدا کی قسم اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ بے آسرا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرتے ہیں اور مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حادثات یا مصیبتوں کے وقت حق کا ساتھ دیتے ہیں۔

اب دیکھ لیجئے یہ سب باتیں بالواسطہ یا بلا واسطہ مال و دولت کے خرچ کرنے سے متعلق ہیں۔ انہی امور میں آپ نے وہ سب دولت خرچ کر دی تھی جس سے حضرت خدیجہؓ تجارت کیا کرتی تھیں۔

۲۔ اس کے بعد رسول کریمؐ کے پاس دولت اس وقت آئی جب اسلام میں فتوحات شروع ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے خود غنائم اور فے کے اموال سے آپکا حصہ مقرر فرما دیا عام مسلمان بھی اس دور میں کسی حد تک خوشحال ہو گئے تھے۔ انہی ایام میں دوسرے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ازواج مطہرات کو بھی آسودگی اور دنیا کی زیب و زینت کا خیال آگیا۔ تو انہوں نے رسول اللہؐ سے زیورات وغیرہ کا مطالبہ کر دیا۔ وقت کے لحاظ سے ازواج مطہرات کا یہ مطالبہ کچھ بے جا بھی نہ تھا۔ لیکن آپ کی قناعت پسند طبیعت پر ازواج مطہرات کا یہ مطالبہ اتنا گراں گزرا کہ آپ اپنی تمام ازواج سے کنارہ کش ہو کر مسجد کے بالاخانے میں آکر مقیم ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہؐ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لیے حضرت عمرؓ درِ اقدس پر حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے اجازت دے دی تو حضرت عمرؓ نے اسی افواہ سے متعلق استفسار کیا تو آپؐ نے صحیح صورتِ حال سے مطلع فرما دیا۔ اس بات پر حضرت عمرؓ اتنے خوش ہوئے تو بے ساختہ منہ سے اللہ اکبر نکل گیا۔ حضرت عمرؓ رسول اللہؐ کی قناعت پسندی کی بات تو خود ان سے سن چکے تھے پھر جب اس سامان پر نظر پڑی جو آپؐ ایک ماہ کے قیام کے لیے اس حجرہ میں اپنے ساتھ لائے تھے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ آپ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی ایک چٹائی پر لیٹے ہیں اور پتوں کے نشان آپ کے ننگے بدن میں کھب گئے ہیں۔ ایک طرف ستوؤں کی ایک تھیلی پڑی ہے اور دوسری طرف پانی کا مشکیزہ۔ یہی کچھ وہ کل سامان زیست تھا جو آپ ایک ماہ بھر کی خوراک وغیرہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ حضرت عمرؓ آبدیدہ ہو کر کہنے لگے۔ یا رسول اللہ ایران و روم کے بادشاہ تو عیش

وعشرت کی زندگی گزاریں اور مزے اڑائیں اور آپ، اس حال میں؟ آپؐ نے فرمایا۔ خطاب کے بیٹے! ابھی تک تو اسی خیال میں گرفتار ہے کہ دنیا کی دولت اور فراغت بہت عمدہ چیز ہے۔ ایران و روم کے کافروں کو اللہ نے دنیا میں اس لیے مزے دیے ہیں کہ انہیں آخرت میں سخت عذاب ہوتا ہے۔ (بخاری کتاب النکاح۔ باب موعظة الرجل ابنته)

آپؐ اور ازواج مطہرات کے درمیان اس کشمکش کا اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات نازل فرما کر دوٹوک فیصلہ فرما دیا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَ أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ● وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ وَ الدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (۳۳/۲۸-۲۹)

ترجمہ: ۔ اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو۔ اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ سامان دے کر بھلے طریقہ سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کا رسول اور دارِ آخرت چاہتی ہو تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

۳۔ اس خدائی فیصلہ کے بعد آپ نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے پھر باری باری دوسری ازواج سے پوچھا تو ان سب بیویوں نے رسول اللہؐ کے ساتھ ہی زندگی بسر کرنے کو اختیار فرمایا اور آئندہ نان و نفقہ میں کشادگی کے مسئلہ میں رسول اللہؐ کے لیے کبھی پریشانی کا باعث نہ بنیں چنانچہ حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ مسلسل دو دو ماہ چولھا روشن نہ ہوتا تھا اور ہمارا گزارا صرف دو کالی چیزوں (یعنی کھجور اور مٹکے کے پانی) پر ہوتا تھا۔ (بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب کیف کان عیش النبیؐ .....)

یہ اس لیے نہ تھا کہ آپ کے پاس وسائل کی کمی تھی۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے دور کر دی تھی۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى۔ (۹۳/۸)

ترجمہ: ۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنگ دست پایا۔ تو غنی کر دیا۔

بلکہ اس کی اصل وجہ آپ کی سادگی پسند اور قناعت پسند طبیعت تھی۔

۴۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ کے پاس کچھ غلام آئے۔ حضرت فاطمہؓ رسول اللہؐ کے پاس گئیں کہ جا کر شکایت کریں کہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ لہٰذا ایک غلام مجھے بھی دے دیں۔ اتفاق کی بات کہ حضرت فاطمہؓ کو اس وقت رسول اللہؐ (اپنے باپ) نہ مل سکے۔ تو حضرت عائشہؓ کو یہ ماجرا سنا کر آگئیں۔ جب رسول اللہؐ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ آپؐ کو بتلا دیا۔ آپ رات کو اس وقت ہمارے ہاں تشریف لائے جب ہم بستروں میں سونے کو تھے۔ ہم اٹھنے لگے تو آپؐ نے فرمایا۔ پڑے رہو۔ چنانچہ آپ ہمارے درمیان بیٹھ گئے اور فرمایا۔ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتلاؤں جو اس سے بہتر ہے جو تم نے طلب کی تھی۔ پھر فرمایا۔ جب تم سونے لگو تو ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔ (بخاری۔ کتاب الاستیذان۔ التکبیر والتسبیح عند النام)

اس طرح آپ نے اپنی پیاری بیٹی اور داماد کو فقر و قناعت کا وہی سبق سکھلایا جسے آپ اپنی ذات کے لیے پسند فرماتے تھے۔

۵۔ عقبہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں عصر کی نماز آپؐ کے پیچھے پڑھی۔ آپ سلام پھیر کر جلدی سے اٹھے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ایک بی بی کے گھر پہنچے جس سے لوگ گھبرا گئے۔ پھر آپؐ باہر نکلے دیکھا کہ لوگ آپؐ کے اس طرح جلد جانے پر متعجب ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر آپ نے فرمایا:

ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ اَنْ يَحْبِسَنِيْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ (بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب من صلی بالناس فذکر حاجۃ.....)

ترجمہ:۔ مجھے (نماز کی حالت میں) یاد آیا کہ ہمارے پاس سونے کا ایک ڈلا رہ گیا تھا مجھے یہ بات بُری لگی کہ وہ مجھے اللہ کی یاد سے روکے۔ سو میں نے اس کو تقسیم کر دینے کا حکم دے دیا ہے۔

اس حدیث سے بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ فاضلہ دولت کو چند گھنٹوں کے لیے بھی اپنے پاس رکھنا پسند نہ فرماتے تھے اور جب آپ کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ پورے عرب کے سربراہ مملکت تھے۔ لیکن حالت یہ تھی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی جس سے آپ نے گھر والوں کے لیے غلہ لیا تھا۔ اور آپ نے جو ترکہ چھوڑا وہ اس طرح کے جنگی سامان اور ایک سفید خچر پر مشتمل تھا۔

اور جو چیز بھی آپ کے پاس تھی ۔ وہ صدقہ (مسلمانوں کا مال) تھی ۔ (بخاری ۔کتاب الجہاد ۔ باب نفقۃ نساء النبی بعد وفاتہ)

۸ ۔امہات المومنین کا کردار

واقعہ تخییر کے بعد امہات المومنین نے بھی وہی قناعت پسندی اور زہد اختیار کر لیا تھا جیسا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو مطلوب تھا ۔حضرت خدیجہؓ نے تو اس واقعہ سے بہت پہلے ساری دولت حضور اکرمؐ کے حوالہ کر دی تھی جسے آپ نے بعثت سے پہلے ہی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا ۔ باقی تمام ازواج مطہرات پر واقعہ ایلاء کے بعد یہی رنگ غالب آ گیا تھا ۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلعم نے اپنی بیویوں کو مخاطب کر کے فرمایا :

اَسرَعکن لحاقًا بی اطولکنّ یدًا قالت فکنّ یتطاولن ایتھنّ اطول یدًا قالت فکانت اطولنا یدًا زینب لِاَنّھا کانت تعمل بیدھا وتصدق (مسلم ۔کتاب الفضائل ۔ باب فضائل زینب ام المومنینؓ)

ترجمہ :۔ تم میں سے سب سے پہلے مجھے وہ ملے گی جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں ۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم آپس میں اپنے ہاتھوں کی پیمائش کر کے دیکھتی تھیں کہ کس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں ۔ حالانکہ حقیقتاً حضرت زینب ہم میں سے لمبے ہاتھوں والی نکلیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ صدقہ وخیرات کیا کرتی تھیں اور وہی سب سے پہلے ۲۱ھ میں فوت ہوئیں

اب دیکھئے حضرت عائشہؓ جو حضرت زینبؓ کو سب سے مخیر بتلا رہی ہیں ، انکی اپنی داد و دہش کا حال بھی سن لیجئے کہ ایک دفعہ آپ کے پاس بہت سا گوشت آیا ۔ جو آپ نے سارے کا سارا تقسیم کر دیا اور اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھا ۔ جب کھانے پکانے کا وقت آیا تو لونڈی نے حضرت عائشہؓ سے کہا کچھ اپنے لیے بھی گوشت رکھ لیا ہوتا ۔ فرمایا " تم بر وقت یاد کرا دیتیں تو رکھ لیتی ۔

حضرت طلحہؓ کو امہات المومنین سے بہت عقیدت تھی اور آپ ہر سال ان کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتے رہتے تھے ۔حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ہر سال دس ہزار درہم مجھے دیا کرتے تھے اور میں یہ ساری رقم اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا کرتی تھی " (طبقات ج ۲ ص ۱۵۲)

خلفائے راشدین اور فاضلہ دولت

خلفائے راشدین میں سے صرف خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ بن عفان دولت مند تھے۔ جن چار دولت مند صحابہ کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ ان میں آپ کا ذکر چوتھے یعنی آخری نمبر پر آیا ہے۔ آپ کے علاوہ باقی سب خلفاء انتہائی قناعت پسند اور اس لحاظ سے رسول اکرمؐ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ ان کا مختصر حال ہم ذیل میں درج کرتے ہیں

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ بنیادی طور پر تاجر تھے۔ جس وقت آپ اسلام لائے۔ آپ کے پاس کافی دولت تھی۔ آزاد مردوں میں آپ ہی نے سب سے پہلے رسول اللہؐ کی تصدیق کی اور ایمان لائے۔ آپ نے اپنی تمام دولت ان غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کر دی جو اسلام لانے کی وجہ سے کفارِ مکہ کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے۔ رسول اللہؐ مسلمانوں پر ایسا ظلم برداشت نہ کر سکتے تھے۔ آپ حضرت ابوبکرؓ کو ان کے آزاد کرانے کا اشارہ فرماتے تو حضرت ابوبکرؓ ان غلام مسلمانوں کی منہ مانگی قیمت ادا کر کے انہیں آزاد کر دیتے تھے حضرت بلالؓ اور عامر بن فہیرہؓ کے علاوہ بیسیوں غلام آپ نے اسی طرح آزاد کرائے تھے۔ (فتح الباری ج ۷، ص ۱۹۲) رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی ان خدمات کا اعتراف اپنی وفات سے چند یوم قبل ان الفاظ میں فرمایا:

ان من امن الناس علیّ فی صحبتہ ومالہ ابا بکر ۔ (بخاری۔ کتاب المناقب ۔ باب مناقب المہاجرین)

ترجمہ: ۔ سب لوگوں میں ابوبکرؓ کا احسان مال اور صحبت کے لحاظ سے مجھ پر زیادہ ہے۔

ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ما نفعنی مال کما نفعنی مال ابی بکر (کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۶)

ترجمہ: ۔ ابوبکر کے مال کے علاوہ کوئی مال میرے لیے اتنا مفید ثابت نہیں ہوا۔

جب آپ خلیفہ منتخب ہو گئے تو دوسرے دن کپڑے کی گٹھری کندھوں پر اٹھائے اسے فروخت کرنے نکلے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو کہا کہ اب آپ کو مسلمانوں کے کاموں پر توجہ دینا چاہیے۔ آپ نے فرمایا "پھر بچوں کو کہاں سے کھلاؤں؟" حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ چلو ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے پاس چلتے

ہیں (ابو عبیدہؓ ہی اس وقت بیت المال کے خزانچی تھے) چنانچہ تینوں اصحاب نے مل کر خلیفۃ المسلمین کا وظیفہ مقرر کیا وہ ایک متوسط درجہ کے فرد کے اخراجات کا تخمینہ لگا کر چار ہزار درہم سالانہ طے کیا گیا۔

خلیفہ بننے کے بعد آپ کی آمدنی تو یہی وظیفہ تھا جبکہ انفاق فی سبیل اللہ کی عادت پہلے سے موجود تھی۔ جب کوئی حاجت مند آتا اور آپ کے پاس دینے کو کچھ نہ ہوتا تو بیت المال سے قرض لے کر حاجت مند کو دے دیتے۔ چنانچہ آپ کے دو سالہ دورِ خلافت میں آپ کے نام اس طرح کا چھ ہزار درہم قرضہ ہو گیا تھا جب وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے صاحبزادے کو بلا کر فرمایا کہ میرا فلاں باغ بیچ کر بیت المال کے چھ ہزار روپے ادا کئے جائیں (طبقات ابن سعد ج ۳) اور مکان بیچ کر آٹھ ہزار درہم کی وہ رقم جو میں نے دو سال کے دوران بیت المال سے بطور وظیفہ لی ہے وہ بھی واپس کر دی جائے۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ ابوبکرؓ نے بعد[1] میں آنے والوں تھکا دیا۔

(کنز العمال ج ۶)

۲۔ حضرت عمر فاروقؓ

آپ بچپن میں اونٹ چرایا کرتے تھے۔ مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ اسلام لانے کے بعد بھی کافی عرصہ یہی کیفیت رہی۔ اسی لیے رسول اللہؐ نے آپ کو جاگیر بھی عطا فرمائی تھی۔ دورِ نبوی کی فتوحات نے مسلمانوں میں کسی حد تک آسودگی پیدا کر دی تھی۔ یعنی گزر بسر آرام سے ہو جاتی تھی۔ یہی صورت حال آپ کی بھی تھی۔ غزوۂ تبوک کے وقت حضرت ابوبکرؓ سے آپ کی مالی حالت نسبتاً بہتر تھی۔ لہٰذا دل میں خیال آیا کہ آج ابوبکرؓ سے بڑھ کر چندہ دوں گا گھر گئے اور تمام مال اور اثاث البیت کا نصف لے کر رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ بھی تھوڑا سا سامان لے کر آن پہنچے۔ رسول اللہؐ نے پہلے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ کیا کچھ لائے تو عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جو کچھ بھی گھر میں موجود تھا اس کا آدھا لے آیا ہوں آدھا گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔ پھر رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ کیا لائے؟ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! گھر کا سارے کا سارا سامان اور مال لے آیا ہوں۔ گھر میں صرف اللہ اور رسولؐ کا نام

---

[1] واضح رہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے وفات سے پیشتر حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔

چھوڑ آیا ہوں ۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ اس دن بھی حضرت عمرؓ سے بازی لے گئے ۔

جب آپ خلیفہ ہوئے تو بیت المال سے صرف ۲ درم روزانہ وظیفہ لینا شروع کیا جس سے آپ کا گزارہ نہایت تنگی سے ہوتا تھا ۔ حضرت ابوبکرؓ کا وظیفہ مقرر کرنے والی تین اشخاص پر مشتمل کمیٹی تھی جس نے ایک متوسط گھرانہ کے خرچ کے مطابق وظیفہ مقرر کیا تھا ۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اپنا وظیفہ خود مقرر کیا اور سوسائٹی کے ایک غریب ترین آدمی کے مطابق یہ وظیفہ مقرر کیا (یعنی صرف سات سو تیس درہم سالانہ یا حضرت ابوبکرؓ کے وظیفہ کا تقریباً چھٹا حصہ) جب آپ کو زیادہ وظیفہ لینے کے متعلق کہا جاتا تو آپ فرما دیتے کہ مسلمانوں کے مال میں میرا اتنا ہی حق ہے جتنا یتیم کے مال میں ولی کا ہوتا ہے ۔ (کنز العمال ج ۶ صفحہ ۳۲۲)

آپ کے دورِ خلافت میں اسلامی سلطنت میں چار گنا اضافہ ہوا بے شمار فتوحات ہوئیں اور کثیر مقدار میں اموال بیت المال میں جمع ہوئے ۔ تو آپ نے تمام اہل مدینہ کے وظائف مقرر کئے اور ہر شخص کی اسلامی خدمات کا لحاظ رکھ کر اس کا وظیفہ متعین کیا گیا ۔ شرکائے بدر صحابہ کا سالانہ[1] وظیفہ پانچ ہزار درہم سالانہ تھا ۔ اسی ضمن میں آپ کو بھی جب یہ وظیفہ ملنا شروع ہوا ۔ تو آپ نے بیت المال سے پہلا ملنے والا وظیفہ چھوڑ دیا ۔ (فتوح البلدان)

زہد، قناعت اور سادگی کچھ اس طرح آپ کی طبیعت میں رچ بس گئی تھی ۔ کہ بیت المقدس کی فتح کے سلسلہ میں جب آپ کو وہاں جانا پڑا ۔ تو آپ کے کرتے میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے اور جب شہر میں داخل ہوئے تو آپ کا غلام اونٹ پر سوار اور آپ اونٹ کی نکیل تھامے آگے آگے پیدل چل رہے تھے ۔ خیبر میں جو زمین آپ کے حصہ میں آئی تھی ۔ وہ بھی آپ نے مسلمانوں کے لیے وقف کر دی تھی ۔ پھر جب آپ نے وفات پائی تو ترکہ کے بجائے قرضہ چھوڑا جو آپ کے صاحبزادے عبداللہؓ نے ادا کیا تھا ۔

۳ ۔ حضرت علیؓ (م ۴۰ھ) آپ کے والد ابوطالب غریب بھی تھے اور کثیر الاولاد بھی ۔ بچپن ہی سے آپ کی پرورش کا ذمہ رسول اللہؐ نے لیا تھا بعثت نبویؐ کے وقت آپ کی عمر صرف ۸ سال تھی ۔ اسی عمر میں آپ ایمان لائے اور تنگی ترشی میں رسول اللہؐ

---

[1] بخاری ۔ کتاب المغازی ان وظائف کی مزید تفصیل آگے آئے گی ۔

کا ساتھ دیا ۔ ۲ھ میں جب آپ کی شادی حضرت فاطمہ الزہرا کے ساتھ ہوئی تو آپ کے پاس حق مہر کے لیے بھی کچھ رقم موجود نہ تھی ۔ رسول اللہؐ کے کہنے کے مطابق آپ حق مہر کی ادائیگی کے لیے اپنی زرہ بیچنے کیلیے نکلے ۔ حضرت عثمانؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے یہ زرہ چار سو درہم میں خرید لی ۔ بعد ازاں زرہ بھی واپس حضرت علیؓ کو دے دی ۔ اسی چار سو درہم کی رقم میں سے کچھ رقم تو رسول اللہؐ نے نئے گھر کے اثاث البیت کے سلسلہ میں خرچ کی ، کیونکہ ابھی تک حضرت علیؓ رسول اللہؐ کے ساتھ ہی رہتے تھے اور اب علیحدہ گھر کی ضرورت تھی ۔ اور باقی رقم حق مہر کے طور پر ادا کی گئی ۔

آپ کو نہایت نامساعد حالات میں خلیفہ بننا پڑا تھا ۔ اتفاق کی بات ہے کہ جب آپ خلیفہ بننے کی آرزو رکھتے تھے ۔ اس وقت تو آپ کی یہ آرزو بر نہ آئی اور جن حالات میں آپ کو خلیفہ بننا قطعاً گوارا نہ تھا ان حالات میں آپ کو خلیفہ بننے پر مجبور کر دیا گیا ۔ آپ کا سارا دورِ خلافت مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی کی وجہ سے انتہائی بے چینی اور پریشانی میں گزرا ۔ زہد و قناعت آپ کی طبیعت میں جس طرح رچا ہوا تھا اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ گروہ صوفیہ کے تمام سلسلے اپنا شجرۂ نسب آپ سے ملانے کی کوشش کرتے ہیں

۴ ۔ حضرۃ عمر بن عبد العزیز (م ۱۰۱ھ)

آپ کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے ۔ نیز آپ کو عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے ۔ کیونکہ آپ نے ایک بار پھر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کی یاد تازہ کر دی تھی ۔ آپ بطور ولی عہد خلیفہ نامزد ہوئے تھے کیونکہ بنو امیہ میں موروثی خلافت رائج ہو چکی تھی ۔ یہ بات آپ کو سخت ناپسند تھی ۔ لہٰذا آپ نے برسر اقتدار آتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ لوگوں کے اجتماع عام میں اعلان کر دیا ۔ کہ " میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں آپ لوگ جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر سکتے ہیں " اس اعلان پر لوگوں نے بالاتفاق آپ ہی کو خلیفہ منتخب کر لیا ۔ کیونکہ آپ بہت بڑے عالم اور بلند کردار کے حامل تھے ۔

خلافت سے پہلے آپ ہر روز نیا اور قیمتی جوڑا تبدیل کرتے اور نہایت اعلیٰ گھوڑوں پر سواری کرتے تھے ۔ خلیفہ بنتے ہی ایسا تمام سامان عیش و عشرت بیت المال میں جمع کرا دیا اور خود سادگی سے زندگی بسر کرنے کو ترجیح دی ۔ اپنی ناز و نعمت میں پلی ہوئی بیوی کے گلے میں سونے کا

ایک قیمتی ہار تھا۔ انسے فرمایا کہ اگر یہ ہار مجھ سے زیادہ عزیز ہے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ اور اگر اس ہار سے میری رفاقت زیادہ عزیز ہے تو اس ہار کو بیت المال میں جمع کرانا ہوگا۔ وفا شعار بیوی نے امہات المومنین کا سا کردار ادا کیا اور اپنے نیک شوہر کی رفاقت کو پسند کر کے نہایت سادگی سے زندگی بسر کرنے لگیں۔ آپ بیت المال سے صرف اتنا وظیفہ لیتے تھے۔ جس سے بمشکل گزر بسر ہو سکے۔ آپ کے زہد و قناعت کے واقعات سے تاریخ بھری ہے۔ جن کا اس مختصر مقالہ میں درج کرنا محال ہے۔

تیسرا کارنامہ آپکا یہ ہے کہ آپکے خاندان والوں نے جو جاگیریں شاہی خاندان ہونے کی بنا پر ناجائز طور پر حاصل کی ہوئی تھیں۔ آپ نے وہ سب خاندان والوں سے چھین کر دوبارہ بیت المال کو واپس کر دیں۔ ان واپس ہونے والی جاگیروں میں آپ کی ذاتی جاگیر بھی تھی اور چوتھا کام آپ نے یہ کیا کہ ایسے تمام مسرفانہ امور کو ممنوع قرار دے دیا جن میں آپ کا شاہی خاندان مبتلا ہو چکا تھا۔ گویا آپ نے مال و دولت کو ترک کر کے زہد و قناعت و سادگی کو خود ہی نہیں اپنایا۔ بلکہ اپنے تمام شاہی خاندان کو بھی ایسی ہی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا اور یہی باتیں بالآخر آپکی جان لیوا ثابت ہوئیں۔ آپ کے اہل خاندان نے سازش سے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا۔ جس کی وجہ سے مسند خلافت پر صرف اڑھائی سال متمکن رہنے کے بعد ۱۰۱ھ میں اپنے پروردگار حقیقی سے جا ملے۔

تعاملِ صحابہ

اسوۂ حسنہ، امہات المومنین اور خلفائے راشدین کی سیرت کے بعد اب عام صحابہ کرام کی طرف نگاہ دوڑائیے تو معلوم ہوگا کہ ان میں صرف ایک فیصد ایسے حضرات تھے جنہیں دولت مند کہا جا سکتا ہے۔ جبکہ صحابہ کی اکثریت یا تو غریب تھی یا ایسے لوگ تھے جنہوں نے وسائل موجود ہونے کے باوجود فقر، زہد و قناعت اور سادگی کو تعیشانہ زندگی پر ترجیح دی تھی اور اپنے پاس فاضلہ دولت رکھنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ایسے طبقہ کے سرخیل حضرت ابو ذر غفاری ہیں۔

ابو ذر غفاری م ۳۳ھ | اسلام لانے سے پیشتر آپ کا پیشہ رہزنی تھا۔ آغاز اسلام میں ہی دربار نبوی میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور سختیاں برداشت کیں اور ساری زندگی آپؐ کے ساتھ رہے اور مشاہدہ کرتے رہے کہ جب بھی رسول اللہ کے پاس کچھ مال

و دولت آتا ۔ تو آپ سب کچھ ہی دے دِلا کر فارغ ہو جاتے تھے ۔ پھر ایک دفعہ شام سے تھوڑا پہلے رسول اللہؐ کے ساتھ چل رہے تھے کہ اُحد پہاڑ نظر آیا ۔ جسے دیکھ کر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ "اے ابوذرؓ اگر اس پہاڑ کے برابر بھی سونا میرے پاس ہو تو مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ تین دن تک میرے پاس اس میں سے ایک اشرفی بھی رہ جائے اِلّا یہ کہ مجھ پر کسی کا قرض ہو ۔ (بخاری ۔ کتاب الرقاق ۔ باب ..... مثل اُحدٍ ذھبًا) چنانچہ حضرت ابوذرؓ کی ذات پر رسول اللہؐ کی زندگی کی زہد و قناعت والا پہلو خاص طور پر اثر انداز ہوا تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ ایک وقت آپ نے (یعنی دورِ عثمانی کے آخر میں) فاضلہ دولت کے حرام ہونے کا فتویٰ دے دیا ۔ آپ کہتے تھے کہ زکوٰۃ چالیسواں حصّہ نہیں بلکہ چالیس حصّے ہی زکوٰۃ ہے ۔

ہم پہلے تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ اور ابوذر غفاریؓ آیہ اکتناز کے حکم کو عام سمجھتے تھے اور احنف بن قیسؒ کی روایت کے مطابق حضرت ابوذر غفاریؓ نے مال و دولت رکھنے والوں کو ڈانٹا بھی تھا اور وعید بھی سنائی تھی ۔ دورِ عثمانی کے آخر میں آپ نے یہ مہم تیز کر دی تھی ۔ آپ شام میں مقیم تھے جب آپ نے یہ فتویٰ دیا تو اس فتویٰ نے لوگوں میں ہل چل پیدا کر دی اور بہت سے لوگ آپ کے گرد جمع ہونے لگے ۔ رفتہ رفتہ یہ معاملہ گورنر شام حضرت امیر معاویہؓ تک پہنچا ۔ امیر معاویہؓ نے آپ کو اپنے ہاں طلب کیا ۔ آپ نے اسی آیہ اکتناز کو بنیاد بنا کر اپنا فتویٰ دہرایا ۔ جس پر حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا موقف اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ آیت مسلمانوں کے حق میں نہیں کیونکہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد مال پاک ہو جاتا ہے ۔ لہٰذا اس آیت کا اطلاق مسلمانوں پر نہیں بلکہ اہل کتاب پر ہوتا ہے ۔ جس کے جواب میں ابوذرؓ کہتے تھے کہ اس آیت کا اطلاق مسلمانوں پر بھی ویسے ہی ہے جیسے اہل کتاب پر، خواہ وہ زکوٰۃ ادا کر بھی دیں ۔

امیر معاویہؓ حضرت ابوذرؓ کے اس دعویٰ کا امتحان کرنا چاہتے تھے کہ یہ درویش صفت صحابی جو بات کہتا ہے آیا خود بھی اس کا پابند ہے یا صرف "ہاتھ نہ پہنچے تھوہ کڑوی" والا معاملہ ہے ؟ چنانچہ امیر معاویہؓ نے اپنے قاصد کے ہاتھ حضرت ابوذرؓ کو ایک ہزار دینار کی تھیلی بطور نذرانہ بھیجی ۔ دوسرے دن اسی قاصد کو ابوذرؓ کے ہاں بھیج کر پیغام دیا کہ "کل جو نذرانہ کی تھیلی میں نے قاصد کے ہاتھ بھیجی تھی ۔ وہ دینی تو کسی اور کو تھی لیکن وہ غلطی سے آپ کو دے گیا ہے ۔ لہٰذا وہ واپس کر دیجئے"

حضرت ابوذرؓ اس ایک دن کے عرصہ میں ساری تھیلی فی سبیل اللہ تقسیم کر چکے تھے، کہنے لگے " وہ تو میں خرچ کر چکا۔ اب امیر معاویہؓ مجھے مہلت دیں تو میں یہ رقم ادا کر دوں گا"۔

جب ابوذرؓ اس امتحان میں بھی پورے اترے تو امیر معاویہؓ نے اس صورت حال سے حضرت عثمانؓ کو مطلع کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ ابوذرؓ کو یہاں میرے پاس مدینہ منورہ بھیج دیا جائے۔ مدینہ پہنچ کر بھی حضرت ابوذرؓ بدستور یہی فتویٰ دینے لگے اور یہاں بھی لوگ ان کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے اور اس اختلافی مسئلہ میں کچھ کمی واقع نہ ہوئی تو حضرت عثمانؓ نے انہیں مدینہ کے مضافات میں کسی آبادی میں چلے جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ مدینہ کے قریب ایک غیر معروف سے مقام ربذہ میں منتقل ہو گئے۔ جہاں آپ نے بقیہ عمر گوشہ عزلت اور کس مپرسی کی حالت میں گزار دی اسی صورتِ حال کو امام بخاریؒ نے مختصراً یوں روایت کیا ہے۔

عن زید بن وھب قَالَ مَرَرْتُ عَلٰی اَبِیْ ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ فَقُلْتُ مَا اَنْزَلَكَ بِهٰذِهِ الْاَرْضِ؟ قَالَ: كُنَّا بِالشَّامِ فَقَرَاْتُ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ قَالَ مُعَاوِيَةُ: مَا هٰذِهِ فِيْنَا مَا هٰذِهِ اِلَّا فِيْ اَهْلِ الْكِتٰبِ قَالَ قُلْتُ اِنَّهَا لَفِيْنَا وَفِيْهِمْ۔ بخاری ج ۲ ص ۶۷۲

ترجمہ:۔ زید بن وہب کہتے ہیں کہ میں ربذۃ (مدینہ کے قریب ایک مقام ہے) میں حضرت ابوذرؓ (غفاری) کے پاس سے گزرا اور کہا: "تم یہاں کیسے آ پہنچے؟" حضرت ابوذرؓ نے کہا ہم شام میں تھے (مجھ میں اور وہاں کے حاکم معاویہؓ میں جھگڑا ہو گیا) میں نے یہ آیت پڑھی والذین یکنزون الذھب ..... تو معاویہؓ کہنے لگے کہ یہ آیت ہم مسلمانوں کے حق میں نہیں ہے۔ میں نے کہا نہیں یہ آیت (عام ہے) ہم کو اور ان کو سب کو شامل ہے۔

اسی کس مپرسی کے عالم میں اسی مقام پر آپ کی وفات ہوئی تو تجہیز و تکفین کرنے اور نماز جنازہ پڑھنے پڑھانے والے کوئی بھی موجود نہ تھے۔ اتفاق سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے ساتھیوں کا ادھر سے گزر ہوا۔ حج کے سلسلہ میں جا رہے تھے۔ انہیں حضرت ابوذرؓ کی وفات کا علم ہوا تو

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آپ کی تدفین کا انتظام بھی کیا اور نماز جنازہ بھی پڑھائی۔

نتائج ان تمام تر تصریحات سے جو نتائج سامنے آتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ فاضلہ دولت (ترکہ) کو قرآن نے خود "خیر" کہا ہے۔ لہٰذا فاضلہ دولت کے جواز میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

۲۔ مال و دولت اسی وقت تک خیر ہے۔ جب کہ اسے جائز طریقوں سے حاصل کیا جائے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی منشاء کے مطابق خرچ کیا جائے۔ جو یہ ہے کہ فاضلہ دولت کو کھلے دل سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو مال و دولت فتنہ اور بلائے جان ثابت ہوتا ہے۔ دولت مند صحابہ کرامؓ نے اس "خیر" کو خیر کے مقام پر ہی رکھا۔ مال و دولت کی محبت نے ان کے دلوں میں گھر نہیں کیا لیکن بعد میں یہ صورت حال نہ رہی جیسا کہ ایک مشہور صحابی خباب بن ارتؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا:

إِنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضَوْا وَلَمْ تَنْقُصْهُمُ الدُّنْيَا بِشَيْءٍ وَإِنَّا أَصَبْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرَابَ۔ (بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب ما یحذر من زھرۃ الدنیا)

ترجمہ:۔ دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی دنیا سے چلے گئے اور دنیا ان کا کچھ بگاڑ نہ سکی (یعنی انہوں نے دنیا کو آخرت کا توشہ بنایا) اور ہم کو دنیا کی دولت اتنی ملی کہ ہمیں اسے مٹی میں صرف کرنے (یعنی مکان وغیرہ بنانے) کے سوا کوئی مصرف نظر نہیں آتا۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ دورِ نبوی میں مال و دولت کی فراوانی نہ تھی۔ یہ فراوانی یا افراط زر دورِ عثمانی میں پیدا ہوئی اور دوسرے یہ کہ دورِ نبوی میں دولت کی قلت کے باوجود انفاق فی سبیل اللہ کا رجحان زیادہ تھا لیکن جب دولت زیادہ ہو گئی تو خود غرضی بھی بڑھ گئی اور اس دولت کا بیشتر حصہ اپنی ذاتی ضروریات پر ہی خرچ کرنے کا رجحان بڑھ گیا۔

۳۔ فاضلہ دولت سے اگر زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو یہ حرام اور جہنم میں لے جانے والی ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے پر فاضلہ دولت کا جواز ثابت ہو جاتا ہے۔ مگر یہ خیر اسی وقت ہو گی جب کہ اسے کھلے دل سے خرچ کیا جائے۔

۴ ۔ فاضلہ دولت ساری کی ساری خرچ کر دینا بہترین عمل ہے اور یہی چیز اسوۂ حسنہ سے ثابت ہوتی ہے ۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ؐ کو کبھی زکوٰۃ ادا کرنا ہی نہ پڑی ۔ اکثر خلفاء اور اکثر صحابہ کرام نے مال و دولت کے بجائے اختیاری فقر و فاقہ، قناعت اور زہد کو پسند فرمایا ہے ۔

۵ ۔ آج کا مسلمان جواز کی سطح تک نیچے اتر آیا ۔ منشائے خداوندی ہرگز یہ نہیں کہ جملہ مسلمان اسی سطح پر قناعت کر جائیں اور اوپر اٹھنے کا نام تک نہ لیں ۔ جیسا کہ مسلمانوں کی اکثریت کا یہی حال ہے ۔ اِلّا مَا شَاءَ اللہ ۔

اب یہاں ایک اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے جو یہ ہے کہ حضرت ابو ذرؓ نے اپنا یہ مسلک دورِ صدیقی یا دورِ فاروقی میں کھل کر کیوں پیش نہ کیا ۔ دورِ عثمانی میں اس مسلک کی کیا اور کیوں ضرورت پیش آ گئی اور اس شدت سے پیش آئی کہ آپ نے جلا وطن ہونا گوارا کر لیا ۔ مگر اپنی بات میں لچک پیدا نہیں کی ؟ اس سوال کا مجمل جواب تو پہلے آ ہی چکا ہے ۔ اب ذرا تفصیل سے عرض کروں گا ۔

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ شریعت کے احکام بعض دفعہ کسی شرط کے ساتھ مشروط ہوتے ہیں اور بعض دفعہ حالات کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں ۔ انفاق فی سبیل اللہ کے احکام کا بھی یہی حال ہے ۔ کہ حالات کے مطابق ان میں نرمی اور شدت پیدا ہو جاتی ہے ۔ دورِ نبوی میں دولت کی فراوانی نہیں تھی ۔ اور دولت کی کمی کے باوجود رسول اللہ ؐ کی تربیت کی وجہ سے انفاق فی سبیل اللہ کا رجحان بہت بڑھا ہوا تھا اور باہمی اخوت محبت اور ایثار و مروت کا رجحان فروغ پا رہا تھا ۔ لیکن دورِ عثمانی کے آخر تک مسلم معاشرہ کی حالت میں کافی تبدیلی آ گئی جس کی مندرجہ ذیل دو وجوہ تھیں :

۱ ۔ افراطِ زر دورِ فاروقی میں بہت زیادہ فتوحات ہوئیں اور اطراف و اکناف سے جزیہ اور انفال کی رقوم کثیر مقدار میں مدینہ پہنچنے لگیں اور یہ مقدار اس قدر زیادہ تھی کہ مسلمانوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی ۔ حضرت ابو ہریرہؓ بحرین کے گورنر تھے ۔ وہ وہاں سے پانچ لاکھ درم جزیہ کی رقم لے کر حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے وہ خود روایت کرتے ہیں کہ " میں نے کہا امیر المومنین یہ جزیہ کا مال حاضر ہے " حضرت عمرؓ نے پوچھا " کتنا مال ہے " ۔ میں نے کہا " پانچ لاکھ درم " کہنے لگے " جانتے ہو پانچ لاکھ کتنا ہوتا ہے ؟ " میں نے کہا ۔ " سو ہزار، سو ہزار پانچ بار یہی کہا " مگر آپ نے کہا " معلوم ہوتا ہے کہ تم عالمِ غنودگی میں ہو ۔ اب آرام کرو کل صبح آنا " میں دوسرے دن گیا ۔ تو پھر

وہی سوال کیا اور میں نے بھی وہی جواب دیا۔ پھر آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:
لوگو! ہمارے پاس بہت سا مال آگیا ہے۔ اب اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ماپ ماپ کر دیں۔ چاہو تو گن گن کے دیں اور چاہو تو وزن کر کے دیں۔ اس پر لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: امیر المومنین! اس کام کے لیے ایک باقاعدہ رجسٹر مرتب کر لیجئے۔ جس کے اندراج کے مطابق لوگوں کو رقوم دے دی جایا کریں۔ حضرت عمرؓ کو اس شخص کی یہ بات بہت پسند آئی اور آپ نے ایسا ہی کرنے کا ارادہ کر لیا[1]۔

یہ روایت اس وقت کے معیار فراوانی کا پتہ دیتی ہے جبکہ پانچ لاکھ درم کی رقم کو ایک ایسا خواب سمجھا جاتا تھا جسے صرف سونے والے یا ایسے اشخاص ہی بیان کر سکتے ہوں جن پر غنودگی کا عالم طاری ہو۔ آگے چل کر بڑی بڑی فتوحات نے صورتِ حال کو اور بھی بہت زیادہ بدل دیا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔
"میں ایک بار سو رہا تھا۔ اتنے میں زمین کے خزانوں کی کنجیاں لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں"۔ (اس حدیث کے راوی حضرت) ابو ہریرہؓ نے کہا کہ آنحضرتؐ تو دنیا سے تشریف لے گئے اور تم یہ خزانے نکال رہے ہو"۔ (بخاری۔ کتاب الجہاد والسیر۔ باب ..... نُصِرتُ بِالرُّعبِ .....)

اب دیکھئے افراطِ زر کا لازمی نتیجہ اشیائے ضرورت کی گرانی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ گرانی کس حد تک پہنچ چکی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت زبیر بن عوامؓ نے غابہ میں زمین کا ایک ٹکڑا ایک لاکھ ستر ہزار درہم میں خریدا۔ آپ ۳۶ھ میں جنگ جمل میں شہید ہو گئے تو آپ کے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ نے آپ کی وصیت کے مطابق یہ زمین بیچ دی۔ اس زمین کا بڑا حصہ سولہ لاکھ میں، ایک چھوٹا ٹکڑا چار لاکھ میں اور باقی ساڑھے چار لاکھ یعنی اس زمین کی مجموعی رقم ساڑھے چوبیس لاکھ وصول ہوئی۔ (بخاری۔ کتاب الجہاد والسیر۔ باب برکۃ الغازی فی مالہ .....)

اگرچہ ٹھیک طور پر معلوم کرنا مشکل ہے کہ حضرت زبیرؓ نے زمین کا یہ ٹکڑا کس سن ہجری میں خریدا تھا تاہم یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ دورِ فاروقی میں خریدا گیا ہوگا۔ آپ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو بسلسلہ مواخات انصار کے نخلستان میں نصف پیداوار پر کام کیا، جب خیبر فتح ہوا تو اس علاقہ کی آدھی زمین جو بزورِ شمشیر فتح ہوئی تھی مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی باقی آدھی زمین قومی ملکیت میں آگئی۔ رسول اللہؐ

---

[1] اسلام میں عدل اجتماعی سید قطب شہید۔ ترجمہ اردو نجات اللہ صدیقی ص ۴۷۷

نے اسی زمین میں سے بعض ضرورت مند مہاجرین کو جاگیریں عطا فرمائیں اور انصار کو ان کے نخلستان واپس کر دیے گئے ۔ یہی جاگیریں دورِ عثمانی میں لاکھوں کی قیمت تک جا پہنچی تھیں ۔ چونکہ رسول اللہؐ نے حضرت زبیرؓ کو بھی اسی موقعہ پر جاگیر عطا فرمائی تھی اور آپ صرف حاجت مندوں کو ہی دیا کرتے تھے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ۷ھ تک حضرت زبیرؓ کی مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی ۔ اس دور کے بعد ایسی فتوحات و غنائم ، جنہوں نے مسلمانوں کی معاشیات میں فراوانی پیدا کی ، ہمیں عہدِ فاروقی میں ہی نظر آتی ہیں ۔ لہٰذا اس دور میں ہی حضرت زبیرؓ غابہ کی زمین کی اتنی قیمت (ایک لاکھ ستر ہزار درہم) ادا کرنے کے قابل ہو سکتے تھے ۔ جو ۳۶ھ میں ساڑھے چوبیس لاکھ میں فروخت ہوئی ۔ بالفاظ دیگر بیس سال کی قلیل مدت میں زمین کی قیمت پندرہ گنا بڑھ گئی تھی ۔

افراطِ زر گرانی پیدا کرتی ہے اور گرانی افراطِ زر میں مزید اضافہ کا باعث بنتی ہے پھر یہی دولت کی ریل پیل خود غرضی پیدا کرتی ، جذبہ ایثار کو فنا کرتی اور اسلام کی اعلیٰ روحانی اقدار کو جس طرح غارت کرتی ہے ۔ اسی کو سامنے رکھ کر رسول اللہؐ نے فرمایا تھا :

"خدا کی قسم ! مجھ کو تمہاری محتاجی کا کچھ ڈر نہیں ہے بلکہ مجھ کو تو یہ ڈر ہے کہ تم پر سامان زیست کی فراوانی ہو جائے اور تم دنیا کے پیچھے پڑ جاؤ ۔ اور آخرت سے یوں غافل ہو جاؤ جیسے تم سے پہلے لوگ ہوئے تھے ۔" (بخاری ۔ کتاب الرقاق ۔ باب ما یُحْذَرُ .....)

۲ ۔ دولت کی نامناسب تقسیم کی وجہ سے طبقاتی تقسیم

دوسری بات جس نے مسلمانوں کی معاشیات کو دگرگوں کرنے میں موثر کردار ادا کیا وہ عطایا کی نامناسب تقسیم ہے ۔ صدقات کی تقسیم میں رسول اللہؐ نے ہمیشہ دو باتوں کو ملحوظ رکھا ۔ کسی کی احتیاج و ضرورت اور تالیف قلوب ۔ آپؐ ان دونوں اُمور کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ بعض بدبختوں نے آپؐ کی اس پالیسی پر اعتراض بھی کیا ۔ جیسا کہ قرآن میں ہے ۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۔ (۹/۵۸)

ترجمہ :۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو (تقسیم) صدقات میں تم پر طعنہ زنی کرتے ہیں ۔

منافقین نے یہ الزام تراشی اس وقت کی جب آپ نے اقرع بن حابس اور عیینہ بن بدر کو محض تالیف قلوب کی خاطر کچھ رقم دی تھی ۔ اب ضرورت مندوں کی ضرورت کو ملحوظ رکھنے کے سلسلہ میں بخاری

کتاب الجہاد والسیر میں سے خمس خیبر کی تقسیم کے متعلق درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیے ۔

قال عمر بن عبد العزیز لم یعمهم بذلك ولم یخص قریبًا دُوْنَ مَنْ اَحْوَجَ اِلَیْهِ وَاِنْ کَانَ الَّذِی اَعْطٰی لِمَا یَشْکُوْا اِلَیْهِ وَمِنَ الْحَاجَةِ ۔ (بخاری ۔ کتاب الجہاد والسیر ۔ باب ومن الدلیل علیٰ اَنَّ الْخُمُسَ ۔۔۔۔)

ترجمہ :۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ آپؐ مال خمس میں نہ تو سب رشتہ داروں کو شامل کرتے اور نہ ہی صرف قریبی رشتہ داروں کو خاص کرتے مگر جو کوئی ضرورت مند ہوتا اور آپ صرف اسے دیتے جو حاجت مند ہوتا یا اپنی احتیاج کی آپؐ کے ہاں شکایت کرتا۔

اور ابو داؤد میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ "فے کے اموال میں سے آپ شادی شدہ کو دو حصے عطا فرماتے اور غیر شادی شدہ کو ایک ۔ چنانچہ آپ نے مجھے عوف بن مالکؓ (راوی) دو حصے دیے کیونکہ میں شادی شدہ تھا اور عمار بن یاسر کو ایک ہی حصہ دیا ۔"

(ابو داؤد ۔ کتاب الخراج والفیٔ والامارۃ ۔ باب فی قسم الفیٔ)

آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی اسی پالیسی پر کاربند رہے ۔ البتہ حضرت عمرؓ اس سلسلہ میں مختلف رائے رکھتے تھے ۔ آپ چاہتے تھے کہ ہر شخص کو اس کی اسلامی خدمات اور رسول اللہؐ سے قرابت داری کی بنا پر وظائف دیے جائیں ۔ حضرت عمرؓ کے علاوہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی حضرت عمرؓ کے موقف کی تائید کی کہ جن لوگوں نے اسلام کے سلسلہ میں پیش قدمی کی ہے ان کو حسب مراتب مقدم رکھا جائے ۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ : تم نے جس اولیت اور فضیلت کا ذکر کیا ہے اس سے میں بھی بخوبی واقف ہوں ۔ مگر یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا ثواب اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ یہ معاش کا معاملہ ہے ۔ اس میں مساوات برتنا ترجیحی سلوک کرنے سے بہتر ہے اور اس مساوات کا مطلب یہ تھا کہ ہر شخص کو اس کی خدمات کا لحاظ رکھنے کے بجائے اس کی ضروریات کا لحاظ رکھ کر دیا جائے ۔

اس مساوات پر عمل ہوتا رہا اور جیسے جیسے آمدنی بڑھتی گئی فراخی اور خوشحالی سارے مسلمانوں کو یکساں فیض یاب کرتی رہی ، تا آنکہ حضرت عمرؓ بن خطاب کا دور آیا ۔ وہ اب بھی اپنے موقف پر قائم تھے کہ "جس نے رسول اللہؐ کے خلاف جنگ کی ہے اُسے میں ان لوگوں کے مساوی کبھی قرار نہیں دے

سکتا۔ جو آپ کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں"۔ لہذا آپ نے اپنی پالیسی پر عمل کیا اور اہل مدینہ کے وظائف جس نسبت سے آپ نے مقرر کئے ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۔ ازواج مطہرات (بوجہ قرابت)۔	فی کس	بارہ ہزار	درہم	سالانہ
۲۔ مہاجرین الاولین۔	〃	پانچ ہزار	〃	〃
۳۔ انصار۔	〃	تین ہزار	〃	〃
۴۔ بدری صحابہ (مہاجر یا انصار)۔	〃	پانچ ہزار	〃	〃
۵۔ حبشہ کے مہاجر اور جنگ احد میں شریک۔	〃	چار ہزار	〃	〃
۶۔ حضرت حسنؓ اور حسینؓ (بوجہ قرابت)۔	〃	پانچ ہزار	〃	〃
۷۔ مہاجر جنہوں نے فتح مکہ تک ہجرت کی۔	〃	تین ہزار	〃	〃
۸۔ اہل بدر کے لڑکے۔	〃	دو ہزار	〃	〃
۹۔ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے۔	〃	دو ہزار	〃	〃
۱۰۔ مدینہ کے عام مقیم مسلمان۔	〃	پچیس	دینار	〃

اہل یمن اور شام کے لوگوں کے لیے بھی بلحاظ مراتب دو ہزار، ہزار، نو سو، پانچ سو اور تین سو کے عطایا مقرر کئے گئے تھے۔ تین سو سے کم کسی کو نہ ملتا تھا۔

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہے کہ امہات المومنینؓ اور حضرت حسنؓ و حسینؓ کے وظائف میں قرابت رسولؐ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ باقی تمام شقیں مراتب کے لحاظ سے وظائف کی کمی بیشی کو ظاہر کر رہی ہیں۔ پھر جہاں کہیں قرابت اور مرتبہ دونوں صفات مشترک ہو جاتیں تو وظیفہ کی تعیین میں اعتراض کی گنجائش بھی پیدا ہو جاتی۔ بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ رسول اللہؐ سے قرابت واضح طور پر نمایاں نہ ہوتی۔ مثلاً:

۱۔ حضرت عمرؓ نے عمر ابن ابی سلمہ (یہ ام المومنین اُم سلمہ کے صاحبزادے تھے) کا وظیفہ چار ہزار درہم مقرر کیا تو عبداللہ ابن جحش نے، جن کا وظیفہ دو ہزار مقرر کیا گیا تھا۔ یہ اعتراض کر دیا کہ ہمارے باپوں نے ہجرت بھی کی تھی اور جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ پھر آپ کس بنا پر عمر ابن ابی سلمہ کو ہم سے زیادہ دے رہے ہیں تو اس کا جواب حضرت عمرؓ نے یہ دیا۔ کہ میں ان کو اس مقام کی بنا پر زیادہ دے رہا ہوں جو رسول اکرمؐ کے نزدیک انہیں حاصل تھا۔ جو شخص اس سلسلہ میں مجھ پر اعتراض کرتا ہے۔

وُہ اُمّ سلمہؓ جیسی ماں لائے ۔ میں اس کی بات مان لوں گا ۔

۲ ۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے جب اُسامہ بن زیدؓ کا وظیفہ چار ہزار درہم مقرر کیا تو اس پر خود حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہؓ نے اعتراض کر دیا کہ آپ نے میرے لیے تین ہزار مقرر کئے اور اسامہؓ کے لیے چار ہزار ۔ حالانکہ میں ایسے معرکوں میں بھی شریک رہا جن میں اسامہؓ شریک نہیں ہو سکے تھے ۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کو یہ وجہ بتائی کہ " اُسامہؓ رسول اللہؐ کو تم سے زیادہ محبوب تھا اور اسامہؓ کا باپ بھی رسول اللہؐ کو تمہارے باپ سے زیادہ محبوب تھا ۔

مندرجہ بالا معلومات کا ماخذ اسلام میں عدل اجتماعی (مصنفہ سید قطب شہید، مترجم نجات اللہ صدیقی ص ۴۷۵، ۴۷۶) ہے ۔ ان معلومات میں سے بعض کی تو بخاری سے بھی توثیق ہو جاتی ہے ۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے بدری صحابہ کے لیے پانچ ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا تھا (بخاری ۔ کتاب المغازی باب بلاعنوان) اور بعض جگہ اختلاف کیا ہے ۔ مثلاً بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے مہاجرین اوّلین کا وظیفہ پانچ ہزار کے بجائے چار ہزار درہم مقرر کیا تھا ۔ (بخاری ۔ کتاب المناقب ۔ باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ)

اعتراض کی گنجائش کے دو واقعات تو اوپر مذکور ہوئے ۔ بخاری میں ایک تیسرا واقعہ بھی مذکور ہے ۔ جو یہ ہے کہ " حضرت عمرؓ نے مہاجرین اوّلین کا وظیفہ تو چار ہزار درہم مقرر کیا ۔ مگر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ساڑھے تین ہزار ۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے عبداللہؓ کا وظیفہ کیوں کم رکھا حالانکہ وہ بھی مہاجرین اوّلین میں سے ہیں ۔ آپ نے جواب دیا کہ عبداللہ کی ہجرت اس کے ماں باپ کے ذیل میں ہوئی تھی ۔ وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتے ۔ جس نے اپنی ذات سے ہجرت کی " (حوالہ ایضاً)

مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے وظائف کے تعین میں اسلامی خدمات، رسول اللہؐ سے قرابت اور محبت کو ملحوظ رکھا ۔ اگرچہ آپ کا یہ جذبہ قابلِ قدر اور نہایت نیک نیتی پر مبنی تھا ۔ مگر وظائف کی تقسیم میں کسی کی احتیاج کو ملحوظ رکھنا ہی وہ بہترین پالیسی تھی جسے رسول اللہؐ نے اور حضرت ابوبکرؓ نے اختیار کیا تھا ۔ مراتب و قرابت کے لحاظ سے وظائف کی تقسیم کے خطرناک نتائج جلد ہی سامنے آنے لگے مثلاً ایک طبقہ کی دولت کا بہت بڑھ جانا اور سال بہ سال منافع کے ذریعہ بڑھتے چلے جانا ۔ اقتصادیات کی رُو سے یہ ایک جانی پہچانی حقیقت ہے کہ نفع میں اضافہ راس المال کے اضافہ کے تناسب سے کہیں زیادہ ہوتا ہے ۔ یہی وہ نتائج تھے جن کو حضرت عمرؓ نے اپنی

زندگی کے آخری ایام میں دیکھ لیا تھا اور قسم کھالی تھی کہ اگر وہ اگلے سال زندہ رہے تو سب کے وظائف برابر کر دیں گے اس موقعہ پر آپ نے یہ بات کہی جو کافی مشہور ہے۔

لَوِاسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَاَخَذْتُ مِنَ الْاَغْنِیَاءِ فُضُوْلَ اَمْوَالِهِمْ فَرَدَدْتُهَا عَلَی الْفُقَرَاءِ[1]

ترجمہ: جو فیصلے میں پہلے کر چکا ہوں انہیں اگر اب پھر سے کرنے کا موقعہ ملا تو میں غنیاء سے فاضلہ دولت لے کر اسے حاجت مندوں میں تقسیم کر دوں گا۔

ہم حیران ہیں کہ تقسیم صدقات کے سلسلہ میں، جو کہ خالص معاشی قسم کا مسئلہ ہے، حضرت عمرؓ جیسے مدبر اور سیاسی بصیرت رکھنے والے شخص سے ایسی زبردست چوک کیونکر واقع ہو گئی۔ یہ وہی حضرت عمرؓ ہیں جنہوں نے بعض جلیل القدر صحابہ کرام کی شدید مخالفت کے باوجود عراق کی مفتوحہ زمینوں کو قومی ملکیت میں لے کر سب مسلمانوں کو اس دولت میں یکساں شریک بنا کر مساوات کا اصول قائم کیا تھا آپ کی نظر میں یہ مفتوحہ زمینیں قومی ملکیت میں لینے کی مصلحتیں درج ذیل تھیں۔

۱۔ زمینوں کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ اگر انہیں مجاہدین میں۔ جن میں سے اکثر صحابی تھے۔ میں تقسیم کرایا جائے تو یہ سب جاگیر دار بن جائیں گے۔

۲۔ مجاہدین کی اکثریت جاگیرداری اور زراعت میں دل لگا کر جہاد فی سبیل اللہ سے غافل ہو جائیگی۔

۳۔ فتوحات سے حاصل شدہ دولت کا کثیر حصہ مجاہدین کے حصہ میں چلا گیا۔ تو سرحدوں کی حفاظت کے اخراجات کہاں سے پورے ہوں گے؟ نیز

۴۔ حکومت محتاجوں کی کفالت کیونکر کر سکے گی۔

اس موقعہ پر آپ نے کمال دانش مندی کا ثبوت دیا۔ اتفاق سے آپ کو قرآن سے دلیل بھی مل گئی تو آپ نے اس طبقاتی تقسیم کے فتنہ پر قابو پالیا جو آپ کو جاگیرداری کی شکل میں نظر آرہا تھا۔ صدقات کی اس ناہموار اور نامناسب تقسیم سے بھی ایسے ہی نتائج کا سامنے آنا لابدی تھا۔ مگر ان تک حضرت عمرؓ کی نظر نہ پہنچ سکی اور جب نتائج سامنے آگئے اور اسلامی معاشرت کا توازن درہم برہم ہو گیا۔

---

[1] اسلام میں عدل اجتماعی۔ ترجمہ اردو نجات اللہ صدیقی۔ مصنفہ سید قطب شہید ص ۲۷۸۔

تب آپ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کا ارادہ کیا مگر افسوس کہ وفات نے آپ کو مہلت نہ دی آپ کی شہادت واقع ہوگئی اور آپ اپنے ان دو ارادوں کو پورا نہ کر سکے جنہیں وہ پورا کرنا چاہتے تھے۔ ان میں ایک یہ تھا کہ دولت مندوں سے فاضلہ دولت لے کر حاجت مندوں میں تقسیم کر دی جائے اور دوسرا یہ کہ تقسیم صدقات کے معاملہ میں خدمات و قرابت کے بجائے احتیاج اور مساوات کے اصول کو ملحوظ رکھا جائے۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا دور آیا۔ انہوں نے تقسیم صدقات کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی جاری شدہ پالیسی کو بحال رکھا[1] جس سے طبقاتی تقسیم مزید بڑھتی رہی۔ مزید برآں آپ کے دور میں مروان کے تصرفات شروع ہوئے جنہیں آپ گوارا کرتے جاتے تھے۔ تو انہی نتائج نے فتنہ کا دروازہ کھول دیا۔ سب سے بڑا ستم یہ ہوا کہ آپ نے قریش کو کھلی چھٹی دے دی کہ اپنے جمع کردہ سرمایہ کے ذریعہ زمین کے گوشے گوشے میں تجارت کرتے پھریں اور اس طرح اسے گئی گنا بڑھا لیں۔ آپ نے بڑے بڑے مال داروں کے لیے یہ بات بھی روا رکھی کہ سواد کے علاقہ یا دوسرے ممالک میں خوب عمارتیں اور زمینیں خریدیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ کے دورِ خلافت کے آخری زمانہ میں پورے اسلامی معاشرہ میں دولت کی تقسیم میں زبردست تفاوت پیدا ہوگیا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب حضرت ابوذر غفاریؓ نے فاضلہ دولت کی حرمت کا فتویٰ دیا۔ پھر اس فتویٰ کی بنا پر آپ کا امیر معاویہؓ سے جھگڑا ہوا اور حضرت عثمانؓ کے ہاں بھی علی الاعلان یہی بات کہی۔ جلاوطنی کی صعوبتیں برداشت کیں مگر اپنے فتویٰ سے باز نہیں آئے۔ حالانکہ فاضلہ دولت بعض صحابہ کے پاس دورِ نبوی میں بھی تھی، دورِ صدیقی میں بھی اور دورِ فاروقی میں بھی۔ لیکن اس وقت آپ نے کبھی ایسا فتویٰ نہ دیا۔ جس سے واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ خود حضرت ابوذرؓ بھی علی الاطلاق فاضلہ دولت کی حرمت کے قائل نہ تھے۔ بلکہ اس حرمت کو حالات سے مشروط رکھتے تھے۔ یعنی جب اسلامی معاشرہ میں طبقاتی تقسیم فروغ پانے لگے، مالدار زیادہ سے زیادہ دولت مند ہوتے جائیں

---

[1] واضح رہے کہ اگرچہ معاشی پالیسی میں حضرت علیؓ رسول اللہؐ اور حضرت ابوبکرؓ کی پالیسی کے ہمنوا تھے۔ مگر حضرت عثمانؓ کے طویل دورِ خلافت میں طبقاتی تقسیم جس قدر معاشرہ میں فروغ پا چکی تھی۔ اس پر حضرت علیؓ کنٹرول نہ کر سکے۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی۔ کہ آپکو اپنے دورِ خلافت میں چین اور اطمینان کم ہی نصیب ہوا تھا۔

اور نادار لوگ نادار تر بنتے جائیں۔ جاگیرداری اور سرمایہ داری بڑھ رہی ہو۔ لوگوں میں زکوٰۃ کے علاوہ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ ختم ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں حضرت ابوذرؓ کے فتویٰ کے مطابق فاضلہ دولت حرام ہو جاتی ہے اور حضرت عمرؓ کی پالیسی کے مطابق حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر زکوٰۃ سے طبقاتی تقسیم ختم یا کم نہیں ہوتی۔ تو وہ ایسے اقدامات کرے جس سے فاضلہ دولت امراء کے ہاتھوں سے نکل کر حاجت مندوں تک پہنچ سکے۔

جاگیرداری اور مزارعت

فاضلہ دولت کی بحث میں جاگیرداری کا ذکر اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ فاضلہ دولت کی پیدائش کا ایک بنیادی عامل جاگیرداری بھی ہے۔ حضرت عمرؓ نے جن وجوہ کی بنا پر عراق کی مفتوحہ زمینوں کو قومی تحویل میں لیا تھا، ان کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔ ان وجوہ میں سے پہلی اور بنیادی وجہ یہی تھی کہ مجاہدین جن میں سے اکثر صحابی ہیں، کہیں جاگیردار ہی بن کے نہ رہ جائیں۔ پھر دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خود حضرت عمرؓ نے بعض صحابہ کو جاگیر عطا فرمائی تھی۔ پھر جاگیرداری سے ایک اور مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہے مزارعت اور یہ مزارعت کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ فاضلہ دولت کے مسئلہ سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فاضلہ دولت کو ناجائز قرار دینے والے صرف دو صحابی تھے جبکہ مزارعت کو ناجائز کہنے والے صحابہ کی تعداد زیادہ ہے۔ ہم جاگیرداری اور مزارعت کو لازم و ملزوم تو نہیں کہہ سکتے تاہم یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر اسلام میں جاگیرداری ہی ناجائز ہو۔ تو مزارعت کا مسئلہ کافی حد تک از خود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا پہلے جاگیرداری کا شرعی نقطہ نگاہ سے جائزہ لینا ضروری ہے۔

جاگیرداری

جاگیرداری کی دو ہی[1] معروف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی شخص اپنی فاضلہ دولت سے

---

[1] جاگیر کی ایک تیسری صورت مغلیہ دور میں یہ تھی کہ علاقہ کے سرداروں کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کر دی جاتی تھیں جبکہ عوض ایک معین تعداد میں فوج اور گھوڑوں کا بوقت ضرورت مہیا کرنا انکے ذمہ ہوتا تھا۔ ایسے سرداروں کے باقاعدہ مناصب ہوتے تھے پنج ہزاری، دس ہزاری وغیرہ جسکا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس سردار کے ذمہ پانچ ہزار یا دس ہزار فوج مہیا کرنا ہے۔ جاگیرداری کی یہ شکل آج کل ختم ہو چکی ہے

زمین کے قطعات خریدے اور دوسرے یہ کہ حکومت کسی شخص کو کسی خدمت کے صلہ میں بطور عطیہ دیدے ان دونوں قسموں کے احکام الگ الگ ہیں جو درج ذیل ہیں :

زرخرید زمین کوئی شخص اپنی فاضلہ دولت سے کتنی ہی زیادہ زمین خریدے ، اس پر عموماً جاگیر کے لفظ کا اطلاق نہیں کیا جاتا ۔ اسے جائیداد ہی کہتے ہیں ۔ اگرچہ ظاہراً ایسی جائیداد اور جاگیر میں کوئی فرق نہیں ہوتا ۔ اگر کوئی شخص جائز ذرائع سے دولت کما کر زمین خریدتا ہے تو وہ مختار ہے جتنی زمین چاہے خریدے ، شریعت اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتی ۔ ایسی زمین کو مالک خود کاشت کرے ۔ کسی دوسرے کو کاشت کے لیے دے دے یا روک رکھے[1] ۔ حکومت کو اس میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ۔ اِلّا یہ کہ زمین کے بڑے بڑے ٹکڑے چند لوگوں کے قبضہ میں آجائیں جن سے مملکت کے نظم و نسق میں بگاڑ یا معاشی مفاسد کا خطرہ پیدا ہو جائے اور ایسی صورتوں میں حکومت اپنی صوابدید کی بھی تحدید کر سکتی ہے اور مقررہ حد سے زائد زمین اس شخص سے موجودہ نرخ کے مطابق خرید کر اسے بہتر مصرف میں لا سکتی ہے ۔

جاگیریں بطور عطایا اور جہاں تک حکومت کی طرف سے عطا کردہ جاگیر کے جواز کا تعلق ہے تو اس کے جواز کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے صحابہ کرام کو جاگیریں عطا کی تھیں ۔ مثلاً :-

۱ ۔ اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں کہ ان کے خاوند حضرت زبیر بن عوامؓ کو رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر کے علاقہ سے ایک نخلستان عطا فرمایا تھا ۔ (بخاری ، کتاب الجہاد والسیر ۔ باب ماکان النبی اعطی ....)

۲ ۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت زبیر سے فرمایا کہ جہاں تک تمہارا گھوڑا دوڑتا ہے وہاں تک زمین تمہاری ہے ۔ (ابوداؤد ۔ کتاب الخراج والفی والامارۃ باب فی اقطاع الارضین)

۳ ۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو انصار کے گھروں اور کھجوروں کے درمیان کچھ پلاٹ عطا کئے (حوالہ ایضاً)

۴ ۔ علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں ۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حضرموت میں ایک جاگیر دی اور حضرت معاویہؓ کو ان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ زمین ماپ کر دیں ۔ (ترمذی ۔ دارمی بحوالہ مشکوٰۃ کتاب البیوع ۔ باب احیاء الموات ۔ فصل ثانی)

---

[1] یہ بحث تفصیل سے آگے آرہی ہے ۔

۵ ۔ عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے مجھے اور عمر بن خطابؓ کو فلاں فلاں قطعہ زمین عطا کیا ۔ (فقہ السنۃ لسید سابق ج ۳ ص ۱۷۲)

۶ ۔ عمر بن دینار کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو قطعۂ زمین عطا کیا (حوالہ ایضاً)

۷ ۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے بلالؓ بن حارث مزنی کو معادن القبلیہ (مکہ اور مدینہ کے درمیان) کی اونچی زمین عطا کی (حوالہ ایضاً)

۸ ۔ عبداللہ بن حسن کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی درخواست پر حضرت عمرؓ نے ان کو ینبع کا علاقہ عطا کیا تھا ۔ (کتاب الاموال بحوالہ مسئلہ ملکیت زمین ص ۴۶)

۹ ۔ نافع بن حارث بن کلدہ کی درخواست پر حضرت عمرؓ نے انہیں بصرہ کی خراجی زمین کا قطعہ عطا فرمایا ۔ (حوالہ ایضاً)

۱۰ ۔ موسیٰ بن طلحہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے زبیر بن عوامؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، اُسامہ بن زیدؓ، خباب بن ارتؓ، عمار بن یاسرؓ اور سعد بن مالکؓ کو زمینیں عطا کیں۔ (حوالہ ایضاً)

البتہ ایسے عطایا کے سلسلہ میں یہ ضرور دیکھنا پڑے گا کہ عطا کرنے والی حکومت کیسی ہے اور جن لوگوں کو جاگیر عطا کی گئی وہ کیسے لوگ ہیں اور کن مقاصد کے لیے زمین عطا کی گئی ہے اور کیسے حالات میں دی گئی ہے ۔ ان تفصیلات کو دیکھنے کے بعد ہی جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے ۔

جہاں تک مقاصد کا تعلق ہے تو وہ دو ہی ہو سکتے ہیں ۔ (۱) زمین کی آبادکاری ۔ (۲) خدمات کا صلہ ۔ صلہ کے طور پر زرعی زمین برائے آبادکاری بھی دی جاسکتی ہے اور سکنی زمین (پلاٹ وغیرہ) مکان کی تعمیر کے لیے بھی ۔

بنجر زمین کی آبادکاری | بنجر زمین کی آبادکاری کے سلسلہ میں اسلام نے ایک سادہ اور فطری سا اصول بتلایا ہے ۔ رسول اللہؐ نے فرمایا :

۱ ۔ مَنْ اَحْیٰی اَرْضًا مَیْتَۃً فَھِیَ لَہٗ ۔ (ترمذی ۔ نسائی ۔ ابوداؤد بحوالہ فقہ السنۃ ج ۳ ص ۱۶۸)

ترجمہ : ۔ جس کسی نے مردہ (بے کار پڑی ہوئی ۔ بنجر) زمین کو آباد کیا، وہ اسی کی ہے ۔

۲۔ مَنْ عَمَرَ اَرْضًا لَيْسَتْ لِاَحَدٍ فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا۔

(بخاری۔کتاب المزارعۃ۔باب من احیا ارضًا مواتًا)

ترجمہ:۔جس کسی نے ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی دوسرے کی ملک نہ ہو تو وہی اس کا حقدار ہے

۳۔ مَنْ اَحَاطَ حَائِطًا عَلَى الارض فَهِيَ لَهُ ۔

(ابوداؤد۔کتاب الخراج والفیٔ والامارۃ۔باب فی اقطاع الارضین)

ترجمہ:۔جس کسی نے (افتادہ) زمین پر احاطہ کھینچ لیا تو وہ اسی کی ہے۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزنیہ اور جہینہ قبیلہ کے لوگوں کو آبادکاری کے لیے زمین عطا کی جسے انہوں نے آباد نہ کیا۔پھر کچھ اور لوگوں نے آکر اس زمین کو آباد کر لیا۔اب مزنی اور جہینی لوگ حضرت عمر بن الخطابؓ کی عدالت میں اپنا دعویٰ لائے تو آپ نے فرمایا۔اگر یہ جاگیریں میں نے یا ابوبکرؓ نے عطا کی ہوتیں تو تمہیں واپس کرا دیتا لیکن یہ رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ ہے۔پھر فرمایا۔"جو کوئی تین سال تک زمین کو آباد نہ کرے۔پھر دوسرے لوگ آباد کر لیں تو وہ اس کے زیادہ حقدار ہیں"۔(فقہ السنۃ ج ۳ ص ۱۷۲۔السید سابق)

احادیث بالا سے بنجر زمین کی آبادی کے درج ذیل اصول معلوم ہوئے۔

آبادکاری کے اصول

۱۔جس افتادہ زمین پر کوئی شخص کاشت کے ذریعہ قبضہ کرے اور اس پر پہلے سے کسی کا قبضہ نہ ہو تو وہ اسی کی ملکیت ہوگی۔

۲۔اگر ایسی زمین پر قبضہ کیا جائے۔جو آبادی سے دور ہو تو ایسی زمین پر کاشت کرنے کے لیے حکومت سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔بلکہ حکومت اس بات کی پابند ہے کہ اس زمین پر کاشتکار کا حق ملکیت تسلیم کرے۔البتہ اگر ایسی زمین آبادی کے نزدیک ہو تو پھر حکومت سے اجازت حاصل کر لینا بہتر ہے۔ (فقہ السنۃ ج ۲ ص ۱۷۱)

۳۔ایک شخص بہت سی افتادہ زمین پر خط کھینچ کر یا دیوار کر کے یا کسی اور طرح سے حد بندی کر کے زمین گھیر کر اس پر اس خیال سے قبضہ کر لیتا ہے کہ وہ اس کو آباد کرے گا۔مگر وہ تین سال تک اس زمین کو یا اس کے کچھ حصہ کو آباد نہیں کر سکا تو حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ زمین جسے وہ آباد نہیں کر سکا اس سے واپس لے لے۔

زمین کی آبادکاری کا مسئلہ محض افراد کا ہی مسئلہ نہیں حکومت کا بھی ہے۔حکومتیں اس معاملہ میں خاصی

دلچسپی لیتی ہیں اور ہر وہ ذریعہ اختیار کرتی ہیں جس سے زمین جلد آباد ہو۔ اس سلسلہ میں حکومتیں کبھی تو کاشتکاروں کو بالکل مفت زمین اس شرط پر دے دیتی ہیں کہ اتنے سال کے اندر اندر زمین کی آبادکاری لازمی ہے۔ کبھی برائے نام قیمت لے کر، بلکہ کبھی اپنے پاس سے قرضے بھی دے کر۔ ہر حکومت حاجتمندوں کو آسان شرائط کے تحت آبادکاری کے لیے افتادہ زمین مہیا کرتی ہے۔ اس طرح افراد اور حکومت دونوں ہی اس آبادکاری سے مستفید ہوتے ہیں۔

زمین کے عطیہ کی دوسری شکل کسی فرد کی خدمات کا صلہ ہے۔ یہ زمین افتادہ بھی ہوسکتی ہے، آباد شدہ بھی اور سکنی یعنی برائے تعمیر مکان بھی۔ جیسا کہ خود رسول اکرمؐ نے اور آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین نے بعض صحابہ کرامؓ کی اسلامی خدمات کے عوض اور ان کی احتیاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں عطا کیں۔ احتیاج کو ملحوظ رکھنے کا ذکر اس لحاظ سے ضروری ہے کہ حضرت عثمانؓ کی اسلامی خدمات بے شمار ہونے کے باوجود بھی رسول اللہؐ نے آپ کو کوئی قطعۂ زمین عطا نہیں فرمایا اور جس وقت آپؐ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ یا حضرت زبیر بن عوامؓ کو زمین کے قطعات عطا فرمائے اس وقت وہ فی الواقعہ حاجت مند اور مستحق تھے۔

ناجائز جاگیروں کی واپسی

اب دیکھئے جو جاگیریں اموی خلفاء نے شاہی خاندان کے افراد کو محض شاہی خاندان ہونے کی بنا پر عطا کی تھیں وہ شرعی نقطۂ نگاہ سے ناجائز اور قومی ملکیت میں خیانت و غصب کے مترادف تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بیک جنبش قلم ایسی جاگیروں کو ناجائز قرار دے کر دوبارہ قومی تحویل میں واپس لے لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی اسلامی حکومت پہلے کی ناجائز عطا کردہ جاگیروں کو کسی وقت بھی واپس لے سکتی ہے۔

اب ذرا ان جاگیروں پر نظر ڈالئے جو انگریزوں نے بعض غداران قوم کو اپنے ملک و ملت سے غداری (بالفاظ دیگر انگریز سے وفاداری) کی بنا پر عطا کی تھیں۔ کیا ایسی جاگیروں کے ناجائز ہونے میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے؟ خصوصاً اس صورت میں کہ اب انگریز یہاں سے تشریف لے جا چکا ہے۔ لہٰذا ایسی جاگیروں کے سلسلہ میں حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ ایسے لوگوں سے یہ جاگیریں واپس لے کر قومی ملکیت میں شامل کرے پھر ضرورت مندوں کو کاشت کے لیے آسان شرائط پر دے دے۔

غیر آباد جاگیروں کی واپسی اگر کوئی شخص افتادہ زمین پر قبضہ کرنے کے بعد تین سال تک اسے آباد نہ کر سکے۔ تو حکومت اس سے زمین واپس لے سکتی ہے بالکل یہی صورت ان جاگیروں کی بھی ہے۔ جنہیں خود حکومت نے بعض افراد کو عطا کیا ہو۔ درج ذیل حدیث میں دونوں صورتوں میں زمین کو واپس لینے کی صراحت موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

عَادِیُّ الْاَرْضِ لِلّٰہِ وللرسول ثم لکم من بعد فمن اَحْیَا ارضًا میتۃً فھی لَہٗ ولیس لمحتجرٍ حق بعد ثلٰث سنین۔

(فقہ السنۃ ج ۳ ص ۱۷۱)

ترجمہ:۔ بنجر زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے پھر اس کے بعد وہ تمہارے لیے ہے پس جو کوئی مُردہ زمین آباد کرے وہ اسی کی ہے اور بے کار روک رکھنے کے لیے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہے۔

رسول اللہؐ نے حضرت بلال بن حارث مزنی کو مکہ اور مدینہ کے درمیان عقیق نامی وادی میں ایک وسیع جاگیر عطا فرمائی تھی وہ اس سارے ٹکڑے کو آباد نہ کر سکے اور تین سال سے زائد مدت گزر گئی۔ تا آنکہ حضرت عمر فاروقؓ کا دور آگیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ جتنی زمین تمہاری قوت کاشت سے زیادہ ہے وہ ہمارے حوالے کر دو تاکہ اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت بلالؓ کہنے لگے کہ "جو قطعہ زمین مجھے خود رسول اللہؐ نے عطا کیا ہے وہ آپ واپس کیسے لے سکتے ہیں؟ میں ہرگز واپس نہ کروں گا۔" حضرت عمرؓ نے کہا "واللہ تجھے یہ کام کرنا پڑے گا۔" چنانچہ حضرت عمرؓ نے زائد زمین واپس لے کر اسے مسلمانوں میں بانٹ دیا (کتاب الخراج از یحییٰ بن آدم۔ طبع مصر ص ۹۳ کنز العمال مطبوعہ دکن ج ۲ ص ۱۹۱ بیہقی دکن ج ۶ ص ۱۳۸)

تحدید ملکیت کی شرائط جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ زمین کے بڑے بڑے ٹکڑے (خواہ یہ کسی کی زرخرید جائداد کی صورت میں ہوں یا حکومت کے عطا کردہ ہوں) جب معدودے چند افراد کے قبضہ میں آجائیں۔ جس سے ملکی معیشت یا استحکام میں خطرہ پیدا ہو جائے یا یہ چیز طبقاتی تقسیم کو فروغ دینے لگے تو حکومت ایسی جاگیروں کی ملکی مصالح کی خاطر تحدید کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ مالکان زمین سے لی ہوئی زمین کی موجودہ نرخ کے حساب سے پوری پوری قیمت

ادا کر دے اور بعدہٗ اپنی نئی پالیسی کو تشکیل دے ۔ لیکن حکومت کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مالکانِ زمین سے ان کی مرضی کے بغیر زبردستی زمین چھین لے پھر اس پر پلاٹ بنا کر ۳۰ ٪ فیصد مالکان کو دے اور باقی زمین کا موجودہ نرخ اگر تین ہزار روپے مرلہ ہو تو وہ ایک سو یا اس کے لگ بھگ قیمت ادا کرے اور اگر خود زمین فروخت کرنا ہو ۔ تو موجودہ قیمت سے ڈبل نرخ پر فروخت کر کے عوام اور زمیندار دونوں کی جیبوں پر ترقیاتی منصوبوں کے نام پر ڈاکہ ڈالے ۔ پھر اس ترقیاتی منصوبے کے نام پر دفتروں کے اندر اور باہر کا بازار گرم کرے ۔ ان تمام کاموں سے ایک ایک بات شریعت کی نگاہ میں حرام اور گناہ کبیرہ ہے ۔ حیرت کی بات ہے کہ جس بات کا حکومت کو شرعی نکتہ نگاہ سے حق حاصل ہے ۔ وہ تو کرتی نہیں ۔ غداریوں کے عوض جاگیریں حاصل کرنے والے جاگیردار بدستور ان پر قابض اور اسی کے بل بوتے پر دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہے ہیں اور جن باتوں کو شریعت جرم قرار دیتی ہے ، بڑے بڑے شہروں کے تمام ترقیاتی ادارے حکومت کی سرپرستی میں ایسے تمام کام بڑی سرگرمی سے بجا لا رہے ہیں ۔

مزارعت

مزارعت سے متعلق تین طرح کی روایات مروی ہیں ۔ ایک ایسی روایات جو مزارعت کو جائز قرار دیتی ہیں ۔ دوسرے وہ جو مزارعت کو ناجائز قرار دیتی ہیں اور تیسرے وہ جو عدم جواز کی توجیہہ بیان کرنے کے بعد جواز مزارعت کی توثیق کرتی ہیں ۔ ان تینوں قسم کی روایات کا اجمالی ذکر درج ذیل ہے ۔

جواز مزارعت والی روایات کا خلاصہ

۱ ۔ جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان مواخات کا سلسلہ قائم کر دیا ۔ انصار نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ہمارے نخلستان ہم میں اور ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجئے ۔ آپ نے فرمایا ۔ " نہیں " پھر انصار نے مہاجرین کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ ان میں محنت کریں ۔ ہم آپ کو پیداوار میں شریک بناتے ہیں " مہاجرین نے کہا سمعنا و اطعنا یعنی ہمیں منظور ہے ۔ یہ معاملہ بٹائی کا تھا ۔ (بخاری ۔ کتاب الشروط باب الشروط فی المعاملۃ)

۲ ۔ خیبر کو فتح کرنے کے بعد جب یہود کو وہاں سے نکالا جانے لگا ۔ تو انہوں نے التجا کی کہ ہمیں یہیں

رہنے دیجئے۔ ہم کاشتکاری کریں گے۔ اور آپ کو پیداوار کا نصف دیں گے۔ آپ نے فرمایا: "ہم تمہیں برقرار رکھتے ہیں۔ جب تک ہم چاہیں گے۔" (متفق علیہ) یہ معاملہ بھی بٹائی کا تھا۔ جو خود رسول اللہ ﷺ نے طے فرمایا۔ پھر اس پر عہد فاروقی تک عملدرآمد رہا۔ تاآنکہ حضرت عمرؓ نے انہیں اریحا اور تیما کی طرف منتقل کر دیا۔ (بخاری۔ کتاب المزارعۃ۔ باب اذا قال ربّ الارض ....)

۳۔ تعاملِ اُمّت۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ قیس بن مسلم نے ابوجعفر سے روایت کی کہ مدینہ میں کوئی ایسا مہاجر نہ تھا جو تہائی اور چوتھائی پر کاشت کاری نہ کرتا ہو۔ حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ بن مالک اور حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت قاسم، حضرت عروہ، اولادِ حضرت ابوبکرؓ، اولاد حضرت عمرؓ اور اولاد حضرت علیؓ سب نے کھیتی باڑی کی۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس شرط پر کام کرایا کہ اگر حضرت عمرؓ بیج دیں تو پیداوار میں آدھ لیں گے اور اگر وہ خود اپنی تخم ریزی کریں تو اتنا لیں گے۔" (بخاری۔ کتاب ما یجوز فی الحرث والمزارعۃ۔ باب المزارعۃ بالشطر ونحوہ)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (جو بعد میں عدم جواز مزارعت کے قائل ہو گئے تھے) کا تعاملِ اُمّت کے متعلق اعتراف۔

نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ عہد نبوی، عہد صدیقی، فاروقی، عہد عثمانی اور خلافت معاویہ میں اپنی مزارعہ زمینیں کرایہ پر دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خلافت معاویہ کے آخر میں انہیں یہ روایت پہنچی کہ رافعؓ بن خدیج رسول اللہ ﷺ سے اس کی ممانعت بیان کرتے ہیں۔ وہ ان کے پاس گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے رافع سے پوچھا تو رافعؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن عمرؓ نے زمین کو کرایہ پر دینا چھوڑ دیا۔ بعد ازاں جب کوئی آپ سے پوچھتا تو کہتے کہ خدیج کے بیٹے نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے (مسلم فی کتاب البیوع باب کراء الارض) (بخاری۔ کتاب المزارعۃ۔ باب ما کان من اصحاب النبی ...)

عدم جواز مزارعت کی احادیث کا خلاصہ

عدم جواز مزارعت کو روایت کرنے والے مندرجہ ذیل چھ صحابہ کرام ہیں:

۱۔ رافع بن خدیجؓ (م ۷۴ھ بعمر ۸۴ سال)۔ ۲۔ جابر بن عبداللہؓ (م ۷۴ھ بعمر ۹۴ سال)۔ ۳۔ حضرت ابوہریرہؓ (م ۵۰ھ)۔ ۴۔ حضرت ابوسعید خدریؓ (م ۷۴ھ عمر ۸۴ سال)۔

۵۔ حضرت زید بن ثابتؓ (م ۴۵ھ) حضرت ثابتؓ بن ضحاکؓ (م ۶۴ھ) ان میں سب سے زیادہ روایات رافع بن خدیجؓ کی ہیں۔ پھر جابر بن عبداللہؓ کی پھر بتدریج دوسرے صحابہ کرام کی۔ ان کی روایات جو کتب صحاح میں مذکور ہیں وہ بھی پچیس تیس سے کم نہ ہوں گی۔ ان سب کو یہاں درج کرنا بہت مشکل ہے ہم یہاں صرف چند روایات درج کریں گے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ عدم جواز مزارعت کی روایات کا انداز کیا ہے؟ (نیز یہ بھی واضح رہے کہ عدم جواز مزارعت کی روایات کا چرچا امیر معاویہؓ کی خلافت کے دور میں ہوا اس سے پہلے نہیں۔ جیسا کہ درج بالا روایات ۔۴ سے واضح ہے)

۱۔ رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہؐ کے زمانہ میں زمین کرایہ پر دیا کرتے تھے۔ ثلث اور ربع پیداوار پر یا معین اناج پر۔ ایک روز میرے پاس میرے چچاؤں میں سے کوئی ایک آیا اور کہنے لگا۔ رسول اللہؐ نے ہمیں اس کام سے منع کیا جس میں ہمارا فائدہ تھا۔ لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشی میں ہم کو زیادہ فائدہ ہے۔ یعنی ہم کو زمین کرایہ پر چلانے یا ربع و ثلث پیداوار پر دینے سے منع کیا اور حکم فرمایا کہ زمین کا مالک خود اس میں کھیتی کرے یا دوسرے کو کھیتی کے لیے دے دے۔ آپ نے زمین کرایہ پر یا کسی اور طرح دینے کو ناپسند فرمایا۔" (مسلم۔ کتاب البیوع باب کراء الارض)

۲۔ "حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو وہ اس میں کھیتی کرے اگر خود کرنے سے عاجز ہو تو اپنے مسلمان بھائی کو مفت دے دے اور اس سے کرایہ نہ لے۔

(مسلم حوالہ ایضاً) بخاری۔ کتاب المزارعۃ۔ باب ماکان من اصحاب النبی ....)

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جس کے پاس زمین ہو وہ اس میں کھیتی کرے یا اپنے بھائی کو مفت دے دے۔ اگر وہ نہ لے (یا مالک کو مفت دینا گوارا نہ ہو) تو اپنی زمین پڑی رہنے دے۔" (مسلم حوالہ ایضاً)۔ بخاری حوالہ ایضاً)

۴۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔ مزابنہ درختوں پر ہی کھجور کا پھل بیچنا ہے اور محاقلہ زمین کو کرایہ پر دینا۔" (حوالہ ایضاً)

۵۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔ میں نے (ثابت بن حجاج راوی نے زید بن ثابتؓ سے) پوچھا کہ مخابرہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تم آدھی یا تہائی یا چوتھائی پیداوار کے عوض زمین لو۔ (ابوداؤد بحوالہ مسئلہ ملکیت زمین ص۶۳)

۳ - عدم جواز کی توجیہہ والی روایات خلافت امیر معاویہؓ کے دور میں جب عدم جواز مزارعت کا چرچا ہونے لگا۔ تو لوگ صحیح صورت کی تحقیق کے لیے رافع بن خدیج اور دوسرے عدم جواز کے راویوں کی طرف رجوع کرنے لگے۔ رافع بن خدیجؓ کے پاس پہنچنے والوں میں حنظلہ بن قیس حنظلہ الزرقی اور رافع بن خدیجؓ کے چچازاد بھائی اسید بن ظہیر ہیں۔ ان تینوں کی روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رافع بن خدیجؓ نے عدم جواز مزارعت کی روایت کی وضاحت یہ فرمائی کہ اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ مالک زمین نہروں اور کھالیوں کے کناروں کی زمین یا ایسی زمین جہاں پانی از خود پہنچ جاتا تھا کی پیداوار اپنے لیے مخصوص کر لیتے تھے۔ علاوہ ازیں بعض مالک زمین یہ شرط بھی کر لیتے تھے کہ بھوسہ سارا ان کا ہوگا اور بعض دفعہ یہ شرط بھی ہوتی تھی۔ کہ گانٹھیں یا گھنڈیاں (پہلی دفعہ گاہنے کے بعد سٹوں میں جو دانے بچ جاتے ہیں) مالک کی ہوں گی۔ یہ شرطیں سب ہی ایسی تھیں جن سے کسی ایک فریق کا فائدہ یا دوسرے کا نقصان یقینی ہو جاتا تھا۔ چونکہ یہ دھوکے کی بیع تھی۔ لہٰذا آپؐ نے اس سے منع فرما دیا۔ رہا نقد کرایہ کی ادائیگی۔ تو ایک روایت میں ہے کہ چاندی سے کرایہ کے تعین کو رسول اللہؐ نے منع نہیں کیا (مسلم۔ کتاب البیوع۔ باب کراء الارض) اور دوسری روایت میں ہے کہ ان دنوں سونے یا چاندی سے زمین کے کرایہ کی ادائیگی کا دستور ہی نہ تھا۔ (بخاری بحوالہ منتقی الاخبار مترجم ج ۲ صـ۱۱۴ کتاب المزارعۃ) تیسری روایت کے مطابق آپ اپنا خیال پیش فرماتے ہیں کہ جہاں تک سونے چاندی سے کرایہ کی ادائیگی کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (بخاری۔ کتاب المزارعۃ باب کراء الارض بالذہب والفضۃ) اور چوتھی روایت میں ہے۔ کہ آپؐ نے مزارعت سے منع کیا اور مواجرۃ (یعنی روپے نقدی پر کرایہ پر دینے) کا حکم دیا۔ (مسلم ایضاً)

تنقید مندرجہ بالا روایات اگرچہ صحیح ہیں تاہم معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جب تحقیق کی نوبت آئی تو حضرت رافع بن خدیجؓ مختلف حضرات کو مختلف جواب دیتے رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نافع کے ساتھ آپ کے پاس گئے تھے۔ اگر رافع بن خدیج انہیں بھی ایسی ہی توجیہہ بتلا دیتے کہ اس عدم جواز کا اصل سبب ناجائز قسم کی شرائط ہیں نہ کہ فعل مزارعت اصلاً ناجائز ہے تو شاید عبداللہ بن عمرؓ اپنی زمینوں کو کرایہ پر دینا کبھی نہ چھوڑتے۔

رافع بن خدیجؓ کی روایت تو یہ تھی کہ ان کے چچا ان کے گھر آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں رسول اللہؐ

نے ایسے کام سے روک دیا۔ جس میں ہمارا فائدہ تھا تاہم اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے میں ہمیں زیادہ فائدہ ہے۔ اب اگر ان ناجائز شرائط ہی کی بات تھی۔ تو ان غلط شرائط کو ترک کرنے کے بعد زمین سے بٹائی (مخابرہ) اور کرایہ (مماقلہ) دونوں صورتوں میں فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔ پھر انہوں نے یہ فائدہ کیوں چھوڑا تھا؟

توجیہہ نمبر ۲ حضرت زید بن ثابتؓ خود تو مخابرہ یعنی بٹائی کے عدم جواز کے قائل ہیں (دیکھئے روایت نمبر ۵) مگر حضرت رافع بن خدیجؓ کے عدم جواز کی توجیہہ پیش فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ اَنَا وَاللّٰهِ اَعْلَمُ بِالْحَدِيْثِ مِنْهُ اِنَّمَا جَاءَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ مِنَ الْاَنْصَارِ قَدِ اقْتَتَلَا فَقَالَ: اِنْ كَانَ هٰذَا شَاْنُكُمْ فَلَا تُكْرُوا الْمَزَارِعَ فَسَمِعَ رَافِعٌ قَوْلَهٗ فَلَا تُكْرُوا الْمَزَارِعَ۔ (ابوداؤد۔ نسائی بحوالہ فقہ السنۃ ج ۳ ص ۱۶۴)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ رافع بن خدیجؓ کو معاف فرمائے۔ واللہ میں اس حدیث کو ان سے بہتر جانتا ہوں۔ واقعہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انصار کے دو آدمی لڑتے جھگڑتے آئے۔ تو آپ نے فرمایا: اگر تمہارا یہی حال ہے تو زمین کرایہ پر نہ دیا کرو۔ رافع نے رسول اللہؐ کا (یہی آخری قول) تو زمین کو کرایہ پر نہ دیا کرو سن لیا (یعنی یہی آخری قول بیان کرنا شروع کر دیا)

تنقید:۔ یہ توجیہہ اس لحاظ سے محل نظر ہے۔ کہ حضرت رافع بن خدیج زمین کو کرایہ پر دینے (مماقلہ) کے قائل ہیں جیسا کہ توجیہہ نمبر ۱ کی چوتھی شق میں واضح کیا گیا ہے اور یہ روایت کرایہ دینے کو ہی ناجائز بتلا رہی ہے۔

غرضیکہ عدم جواز مزارعت (مخابرہ اور مماقلہ) کی روایات کی توجیہہ کے متعلق تین روایات آئی ہیں۔ ان میں ایسی ہی شرائط مذکور ہیں۔ جو فی الواقعہ شرعی لحاظ سے نادرست ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ عدم جواز کی کثیر التعداد روایات مزارعت سے علی الاطلاق منع کر دیتی ہیں۔ لہذا ان دونوں قسم کی روایات کو آمنے سامنے رکھنے سے بھی ذہن پوری طرح صاف نہیں ہوتا۔

ان توجیہات کے بعد اب ہم دونوں قسم کی روایات میں تطبیق کی صورت پر غور کریں گے۔

تطبیق کی صورت حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان دونوں قسم کی روایات کی تطبیق کی صورت یوں

بیان فرمائی کہ

لَمَّا سَمِعَ اَکْثَرَ النَّاسِ فِیْ کِرَاءِ الْاَرْضِ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ اِنَّمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَّمْنَحَھَا اَحَدُکُمْ اَخَاہُ (اَیْ قَالَہٗ تَحْرِیْضًا لِلنَّاسِ عَلَی الْاِحْسَانِ) وَلَمْ یَنْہَ عَنْ کِرَائِھَا۔

(ابن ماجہ۔ احمد۔ ابو داؤد بحوالہ منتقی الاخبار۔ کتاب المزارعۃ

ترجمہ:۔ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے زمین کے کرائے کے سلسلہ میں اکثر لوگوں کی چہ میگوئیاں سنیں تو فرمایا سبحان اللہ۔ رسول اللہؐ نے تو صرف یہ فرمایا تھا کہ تمہارا کوئی شخص اپنے بھائی کو کرائے کے بجائے مفت زمین کیوں نہیں دے دیتا (یعنی آپ لوگوں کو احسان کی ترغیب دینا چاہتے تھے) آپ نے زمین کرایہ پہ دینے سے منع نہیں فرمایا تھا۔

اسی مضمون سے ملتی جلتی روایت ترمذی میں اس طرح ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ یُحَرِّمِ الْمُزَارَعَۃَ وَلٰکِنْ اَمَرَ اَنْ یَّرْفُقَ بَعْضُھُمْ بِبَعْضٍ۔ (رواہ الترمذی وصححہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتی کو بٹائی پر دینے کو حرام نہیں کیا ہاں آپ نے یہ ضرور حکم فرمایا ہے کہ ایک شخص دوسرے سے نرمی کا برتاؤ کرے۔

گویا حضرت ابن عباسؓ عدم جواز مزارعت کی تمام روایات میں مذکورہ نہی کو نہی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی اس تطبیق کو اُمت کی اکثریت نے قبول کر لیا۔ آپ کے مایہ ناز شاگرد اور نامور فقیہ حضرت طاؤسؒ عبداللہ بن عباسؓ کی اسی تطبیق کو قبول کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت طاؤسؒ سے کہا۔ کاش! تم کھیتی کو بٹائی پر دینا چھوڑ دو۔ کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتی کو بٹائی پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ تو حضرت طاؤس کہنے لگے کہ "لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے (یعنی حضرت ابن عباسؓ) نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ نے کھیتی کو بٹائی پر دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی اپنے بھائی کو زمین ہدیہ کے طور پر دے دے تو یہ بات اس کے لیے اجرت پر دینے سے بہتر ہے۔"

(بخاری ۔ کتاب الوکالۃ ۔ باب المزارعۃ بالشطر ونحوہ)

اس تطبیق سے متعلق مختلف روایات درج کرنے کے بعد امام ابن تیمیہ منتقی الاخبار کتاب المساقات والمزارعہ کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

وَبِالْاِجْمَاعِ تجوزُالاجارۃ وَلَا تجبُ الْاَعَارَۃ فَعُلِمَ اَنَّہٗ اَرَادَ النُّدْب ۔

ترجمہ: کرائے پر زمین دینا بالاجماع جائز ہے اور بطور عاریت دینا بالاتفاق واجب نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا آپ کا ارادہ استحباب کا تھا۔

ہمیں اس نتیجہ سے تھوڑا سا اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ جواز مزارعت پر اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں بلکہ یہ جمہور کا مذہب ہے اور اجماع اور جمہور میں جو فرق ہے وہ بالکل واضح ہے ۔ صحابہ میں بھی یہ اختلاف موجود تھا ۔ بعد میں بھی ظاہریہ عدم جواز کے قائل رہے ہیں ۔ (نیل الاوطار ۔ ج ۴ ص۱۰) فقہاء اربعہ میں سے کچھ مخابرہ کو جائز سمجھتے ہیں اور کچھ محاقلہ کو

مزارعت کے قائلین اور منکرین کے دلائل کا موازنہ

۱ ۔ قائلین مزارعت کی سب سے بڑی دلیل خود رسول اللہ ؐ کا خیبر کی زمین کو بٹائی پر دینا ہے اور چونکہ آپ کی آخری عمر تک بلکہ دورِ فاروقی تک خیبر کی زمین بٹائی پر رہی ہے لہٰذا قائلین مزارعت یہ کہتے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ ؐ کی آخر زندگی تک یہی سنّت جاری رہی ہے ۔ لہٰذا عدم جواز مزارعت والی تمام روایات منسوخ قرار پاتی ہیں ۔

اس کے جواب میں منکرین مزارعت یہ کہتے ہیں ۔ کہ خیبر کا معاملہ بٹائی کا معاملہ تھا ہی نہیں ۔ کیونکہ خیبر کو رسول اللہ ؐ نے بزور شمشیر فتح کیا تھا ۔ لہٰذا خیبر کے یہود مسلمانوں کے غلام تھے ۔ اس لحاظ سے خیبر کی زمین کی پیداوار کا جو حصّہ آپ وصول کرتے تھے وہ بھی آپ کا ہی تھا اور جو کچھ یہود کے پاس چھوڑ دیتے تھے ۔ وہ بھی آپ ہی کا تھا ۔ حازمی کہتے ہیں کہ یہ مذہب عبداللہ بن عمرؓ ، عبداللہ بن عباسؓ ، رافع بن خدیجؓ، اسید بن حضیرؓ، ابوہریرہؓ اور نافع کا ہے امام مالکؒ ، امام شافعیؒ اور کوفیین میں سے امام ابوحنیفہؒ اسی طرف گئے ہیں ۔ (نیل الاوطار ج ۴ ص۱۰)

منکرین مزارعت کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ خیبر کی زمین خراجی تھی۔ لہذا اس کے متعلق جو بھی معاملہ طے کر لیا جاتا وہ درست تھا۔ یہ دلیل درست نہیں۔ کیونکہ خیبر کا کچھ حصہ تو بزور شمشیر فتح کیا گیا تھا اور کچھ حصہ بغیر جنگ کے فتح ہو گیا تھا۔ اسی لیے خیبر کی آدھی زمین تو بطور مالِ فے اسلامی مملکت کی تحویل میں آگئی۔ باقی آدھی زمین مجاہدین میں تقسیم ہوئی تھی۔ اب جو آدھی زمین مملکت کی تحویل میں آئی اسے تو خراجی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن جو زمین مجاہدین میں تقسیم ہو گئی۔ اسے کسی صورت بھی خراجی قرار نہیں دیا جا سکتا، باقی رہا مزارعت کا معاملہ تو وہ خراجی زمین تھی یا غیر خراجی سب کا معاملہ بٹائی پر ہی ہوا تھا۔

منکرین مزارعت کی طرف سے خیبر کے بٹائی کے معاملہ پر کچھ اور بھی اعتراض کر کے اسے بٹائی کے معاملہ سے ہی خارج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر ایسے اعتراض چونکہ محض "اعتراض برائے اعتراض" ہیں۔ لہذا اس مختصر مقالہ میں ان کا ذکر کرنا مشکل ہے۔

۲۔ قائلین مزارعت کی طرف سے جواز مزارعت کی دوسری دلیل مواخات کے سلسلہ میں مہاجرین کا نصف پیداوار پر کام کرنا ہے۔ اس دلیل کا منکرین مزارعت یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ عدم جواز مزارعت کا اصل مقصد مسلمانوں کا آپس میں ذاتی خود غرضی اور طمع کے بجائے ایثار و رفاقت سے کام لینا ہے اور سلسلہ مواخات میں یہ مقصد پہلے ہی بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ یعنی انصار تو اس بات پر بھی تیار تھے کہ اپنی زمین مزارعت یا بٹائی پر دینے کے بجائے مہاجرین کو آدھی زمین کا مالک بنا دیں۔ لیکن مہاجرین کی خود داری نے انصار کے اتنے بڑے ایثار اور قربانی کو قبول نہ کیا تو اب اس کی دوسری صورت یہی باقی رہ جاتی تھی کہ انصار کی زمین یا نخلستان میں مہاجر کام کریں اور پیداوار نصف نصف تقسیم کر لی جائے۔ مہاجرین و انصار کا یہ معاہدہ اگرچہ اپنی ظاہری شکل میں مزارعت ہی نظر آتا ہے۔ لیکن مقصد کے لحاظ سے بالکل مختلف ہے۔ لہذا اس واقعہ کو بٹائی کے جواز کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ منکرین مزارعت کی طرف سے اپنے موقف کی صحت کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بٹائی سے رجوع کے واقعہ کو بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب قائلین کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ،

(ا) یہ تو واضح ہے کہ دور نبوی میں آپ کے سامنے بٹائی کا کاروبار ہوتا رہا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے رجل صالح فرمایا تھا، بھی یہ کاروبار کرتے رہے ہیں۔ اگر یہ بٹائی کا معاملہ فی الواقعہ حرام ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو سختی سے بند کر دینا چاہیے تھا۔ جیسا کہ آپ نے سود اور شراب وغیرہ

کے سلسلہ میں کیا۔

(iii) آپ خود بھی فقیہہ تھے اور ایسے مدبر خلیفہ المسلمین کے بیٹے تھے جنہوں نے دس گیارہ سال تک اسلامی مملکت کا نظم ونسق چلایا اور یہ ناممکن ہے کہ زندگی کے ایک نہایت اہم گوشہ سے تعلق رکھنے والا یہ مسئلہ ان کی نظروں سے اوجھل رہ گیا ہو۔ یا اس کے متعلق انہیں پورا پورا اور صحیح علم نہ ہو سکا ہو۔ اس وضاحت کے بعد قائلین مزارعت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے رجوع کی وجہ بتلاتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ آپ کے رجوع کی اصل وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کو بٹائی کی صحت کے متعلق غلطی ظاہر ہوگئی تھی۔ بلکہ اس کی اصل وجہ زہد و ورع کے سلسلہ میں آپ کی شدتِ احتیاط تھی جو آخری عمر میں وہم کے درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ آپ آخری عمر میں وضو میں اس قدر مبالغہ کرنے لگے تھے کہ آنکھوں کا اندرونی حصّہ بھی دھوتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپکی بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ آپ اپنے بچوں سے پیار کرتے تو پھر کلی کئے بغیر نماز نہ پڑھتے۔ اسی طرح اگر دوران نماز امام کے ساتھ شامل ہوتے تو بعد میں صرف چھوٹی ہوئی نماز ہی ادا نہ کرتے تھے بلکہ سجدہ سہو بھی کرتے تھے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۲۲۶ بحوالہ مسئلہ ملکیت زمین ص ۶۷)

مندرجہ بالا تصریحات سے معاملہ زیر بحث کے بہت سے پہلو سامنے آگئے ہیں یہ تسلیم ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ زہد و ورع کے معاملہ میں حد درجہ محتاط اور متشدد تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے کہ جس قدر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سخت تھے اسی قدر عبداللہ بن عباسؓ نرم تھے۔ عبداللہ بن عباسؓ مزارعت کو علی الاطلاق جائز قرار دیتے اور نہی کو درجہ استحباب پر لے آتے ہیں۔ پھر یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی ہیں جو عورتوں کے پردہ کے معاملہ میں درون خانہ کی حد تک چہرہ اور ہاتھوں کو پردہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی ہیں جو حضرت عمرؓ کے متعہ کو قابل حد جرم قرار دینے کے بعد بھی اس کے جواز کے قائل رہے اور فرمایا کہ متعہ اللہ کی طرف سے رحمت تھی جسے عمرؓ نے روک دیا۔ اگر یہ باقی رہتی تو مسلمان کبھی زنا نہ کرتے۔ (تفسیر مظہری زیر آیت متعلقہ)

ہمارے اس خیال کی تائید علامہ ابن خلدون کے درج ذیل اقتباس سے بھی ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں

"اور (اموی خلیفہ ابو جعفر) منصور کا علم دین میں جو مرتبہ قبل از خلافت اور بعد از خلافت رہا ہے وہ مخفی نہیں۔ چنانچہ اسی نے حضرت امام مالکؒ کو مؤطا تصنیف کا مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ اے ابو عبداللہ! (امام مالکؒ کی کنیت) اس وقت سطح زمین پر مجھ سے اور تم سے زیادہ کوئی عالم دین

نہیں ۔ میں تو خلافت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا ہوں ۔ تم لوگوں کے لیے ایسی کتاب لکھو جس سے وہ فائدہ اٹھائیں ۔ نہ اس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی نرمیاں ہوں ۔ نہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی سختیاں اور جو لوگوں کے لیے تصنیف و تالیف کی راہ کھول دے ۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ قسم بخدا! مجھے ابوجعفر نے آج تصنیف کا فن سکھا دیا ۔ (مقدمہ ابن خلدون ۔ ترجمہ اردو ص۱۲ مطبوعہ نور محمد کراچی)

تطبیق کی نئی صورت ہمارے خیال میں عدم جواز مزارعت کی احادیث نہ تو منسوخ ہیں اور نہ ہی محض استحباب کے درجہ پر ہیں بلکہ ان دونوں طرح کی احادیث میں تضاد کی اصل وجہ حالات کا اختلاف ہے ۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اسی طرح کا ایک اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں ؟ ایک روایت کے مطابق رسول اللہؐ نے فرمایا :

مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلَا يُصَلِّ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ (رواہ الخمسۃ)

ترجمہ : ۔ جس شخص نے اپنے ذکر کو چھوا تو وہ وضو کئے بغیر نماز نہ پڑھے ۔

اور طلق بن علی کی حدیث کے مطابق (جسے ابوداؤد ۔ ترمذی ۔ نسائی ، ابن ماجہ ، احمد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے) آپ نے فرمایا :

انما هو بضعة منك (نیل الاوطار ج ا ص۲۲۹)

ترجمہ : ۔ وہ بھی تو تمہارے جسم کا ایک ٹکڑا ہے

ان دونوں قسم کی متضاد روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلی روایت میں ایک عام اصول بیان کیا گیا ہے ۔ جبکہ دوسرا ارشاد صرف اس (پوچھنے والے جیسے) بوڑھے سے متعلق ہے جس کی شہوت ختم ہو چکی ہو ۔ اس طرح یہ دونوں احادیث حالات کے متعلق قابل عمل رہتی ہیں ۔ تو جس طرح اس مثال میں بالکل متضاد حکم مختلف حالات میں درست اور قابل عمل رہتے ہیں ۔ یہی صورت مزارعت کے سلسلہ میں بھی پیش آسکتی ہے ۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ کاشت کاری صرف تنومند اور طاقتور آدمی ہی کر سکتے ہیں جبکہ زمین کے مالک قانون وراثت کی رُو سے بچے ، بوڑھے ، عورتیں اور کمزور و ناتواں بھی ہو سکتے ہیں اور مفلس و نادار بھی ۔ بچے ، بوڑھے کمزور کے مالک زمین ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ دوسروں سے کاشت کرانے کی اجازت ضروری ہو اور مفلس و نادار ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں اس کا کچھ صلہ بھی ضرور ملنا چاہیے ۔ لہذا ہمارے خیال میں :

۱۔ اگر مالکِ زمین مفلس و تنگدست ہے۔ تو وہ اپنی زمین بٹائی پر بھی دے سکتا ہے اور ٹھیکہ یا نقد کرایہ پر بھی۔ شرط صرف یہ ہے۔ کہ ان میں بٹائی کی یا کرایہ طے کرنے کے سلسلہ میں کوئی شرط ایسی نہ ہو۔ جو شرعاً نادرست ہو۔

۲۔ اگر مالک زمین صاحب حیثیت ہے اور کاشت کار مفلس و قلاش ہے۔ تو بٹائی اور ٹھیکہ سب کچھ ناجائز ہوگا۔ اس صورت میں مالک زمین کے لیے لازم ہے کہ ہدیۃً اپنے مسلمان بھائی کو زمین کاشت کے لیے دے دے اور کرایہ یا حصہ کچھ بھی نہ لے۔

۳۔ اگر مالکِ زمین بھی حاجت مند اور مفلس ہو اور کاشت کار بھی۔ یا اس کے برعکس مالک زمین بھی کھاتا پیتا آدمی ہے اور کاشت کار بھی تو اس صورت میں استحباب یہ ہے کہ کاشت کار کو زمین مفت دی جائے۔ اگر مالکِ زمین ایسا نہ کرسکے اور بٹائی یا کرایہ وصول کرنا چاہے تو بھی جائز ہے۔

۴۔ اگر کوئی شخص اپنی زمین خود کاشت نہیں کرسکتا اور دوسرے کو بھی مفت برائے کاشت نہیں دیتا۔ اس کی وجہ خواہ یہ ہو کہ وہ اپنے آپ میں اتنا اُبھار کا جذبہ نہ رکھتا ہو یا کاشت کار کے زمین پر قبضہ جما بیٹھنے کا خطرہ ہو یا کوئی اور وجہ ہو۔ تو پھر احادیث میں تیسری صورت کی دو شکلیں بیان کی گئی ہیں:

ا۔ فَلْيُمْسِكْ اَرْضَهٗ۔ (بخاری۔ مسلم) یعنی مالکِ زمین اپنی زمین کو پڑا رہنے دے۔ اس پڑا رہنے دینے میں بھی زمین میں کچھ نہ کچھ پیداوار ضرور ہوگا مثلاً گھاس۔ جھاڑیاں جڑی بوٹیاں اور ایندھن یا درخت وغیرہ۔ ان کا بھی انسانوں یا حیوانوں کو فائدہ پہنچے گا اور اگر مالکِ زمین کو کچھ نقد وصول نہیں ہوتا تو کم از کم اس کی طرف سے صدقہ ضرور شمار ہوگا۔ علاوہ ازیں ایسی پڑی ہوئی زمین اگلے سال زیادہ فصل اُگانے کے قابل بن جائے گی۔

ب۔ فَلْيَدَعْهَا۔ (مسلم۔ کتاب البیوع۔ باب کراء الارض) یعنی مالک زمین اس زمین کو چھوڑ دے یا بالفاظِ دیگر ایسی زمین سے دستبردار ہو جائے۔ جس کی صورت ہمارے خیال میں مناسب یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر تین سال تک زمین پڑی رہتی ہے اور اس کو آباد کرنے کی کوئی صورت اس کے سامنے نہیں آتی۔ تو اسے ایسی زمین کی ملکیت ہی سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔ خواہ فروخت کر دے[1]۔

---

[1] ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے ان کے خاندان کو ایک زمین عطا کی تھی جسے وہ آباد نہ کرسکے تو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسے ۸ ہزار دینار میں فروخت کر دیا۔ (مسئلہ ملکیت زمین ص۴۵)

یا ہدیۃً کسی مسلمان بھائی کو دے دے ۔ بصورتِ دیگر حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ ایسی زمین مالکِ زمین (جسے حکومت نے زمین عطا کی ہو) سے زبردستی واپس لے لے ۔

ایک اہم سوال ؟

اس مسئلہ پر ایک اور پہلو سے بھی غور کرنا ضروری ہے ۔ یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عہدِ نبوی ، صدیقی ، فاروقی اور عثمانی میں بٹائی کا سلسلہ بھی چل رہا تھا اور زمین کو کرایہ پر دینے کا بھی ۔ امیر معاویہؓ کے دَور میں یہ عدم جواز مزارعت کا مسئلہ یک لخت کیوں اُٹھ کھڑا ہوا ؟ اور اٹھا بھی اس شدت سے کہ اکثر لوگ اس مسئلہ پر چہ میگوئیاں کرنے لگے ۔ حالانکہ احادیث بھی وہی تھیں جو صحابہ نے رسول اللہؐ سے خود سنی تھیں یا ایک آدھ واسطہ سے سنی تھیں ۔ یہ جو رافع بن خدیجؓ ، جابر بن عبداللہؓ ، حضرت ابوہریرہؓ ، حضرت ابوسعید خدری وغیرہم دورِ معاویہؓ میں عدم جواز مزارعت کی حدیثیں سنانے لگے تھے ۔ انہوں نے اس سے پیشتر دورِ نبویؐ یا صدیقیؓ یا فاروقیؓ یا عثمانیؓ میں ہی کیوں نہ یہ حدیثیں نشر کیں ۔

جہاں تک میں نے اس مسئلہ پر غور کیا ہے مجھے یہی معلوم ہوا کہ دورِ نبوی ، عہدِ صدیقی اور فاروقی میں ایسی عدم جواز مزارعت کی احادیث گاہے گاہے بیان ضرور ہوتی ہوں گی ۔ مگر ان کے چرچا کی ضرورت پیش ہی نہیں آئی ۔ ان ادوار میں مسلمانوں میں ایثار کا جذبہ موجود تھا ۔ لوگ اگر اپنی فاضلہ زمین بٹائی یا کرایہ پر دیتے تھے تو ایسے بھی موجود تھے جو اپنے بھائی کو مفت زمین دے دیتے تھے ۔ مسلمانوں میں افراط زر کا مسئلہ دورِ عثمانی میں پیدا ہوا ۔ اس افراط کی وجوہ کا ذکر پہلے کر آئے ہیں ۔ اس دور میں جب مسلمانوں میں وافر دولت آگئی تو فاضلہ دولت سے مسلمانوں نے دھڑا دھڑ زمینیں خریدنا شروع کر دیں ۔ اس طرح جہاں ایک طرف جاگیرداری میں اضافہ ہوا وہاں دوسری طرف مسلمانوں نے جواز کا سہارا لے کر محتاج و مفلس کاشت کاروں کو بھی اپنی زمین مفت میں دینا یکسر بند کر دیا ۔ اس دوہرے عمل نے جب طبقاتی تقسیم کو اور بھی جلا بخشی اور زمین کی قیمت کے ساتھ ساتھ غلّہ کی قیمت بھی آسمان سے باتیں کرنے لگی اور محتاج و نادار کو غلّہ خرید کر اپنے کنبہ کی پرورش کرنا بھی مشکل ہو گیا ۔ ہمارے خیال میں یہی عین مناسب وقت تھا کہ عدم جواز مزارعت کی احادیث کو پوری قوت کے ساتھ نشر کیا جاتا ۔ لہٰذا عین مناسب وقت پر پانچ سات بزرگ صحابہ نے حق بات لوگوں تک پہنچا دی اور صرف ایسی احادیث کا پرچار کیا ۔ جو بالکل درست اور موقع کے لحاظ

سے وہی قابل عمل تھیں ۔ مگر چونکہ مزارعت کو یکسر حرام نہیں کیا گیا تھا اس لیے عدم جواز مزارعت کی احادیث کی توجیہات تلاش کی جانے لگیں اور ان توجیہات سے امت کی اکثریت نے اپنے آپ کو مطمئن کر لیا۔ مسلمان ایثار اور عزیمت کی افضل اور بلند تر سطح سے نیچے اُتر آیا اور جواز کا سہارا لے کر ہمیشہ کے لیے اسی پر قناعت کر لی ۔ چنانچہ آج تک یہی دستور چلا آرہا ہے ۔

عبدالرحمٰن کیلانی

مراجع ومصادر

۱	:۔ قرآن مجید		
۲	:۔ کتب احادیث حسب ضرورت		
۳	:۔ تفسیر ابن کثیر	حافظ ابن کثیر	نور محمد کارخانہ تجارت کتب ۔ کراچی
۴	:۔ مقدمہ ابن خلدون	علامہ ابن خلدون	〃 〃 〃
۵	:۔ منتقی الاخبار	امام ابن تیمیہ	دارالدعوۃ السلفیہ شیش محل روڈ ۔ لاہور
۶	:۔ نیل الاوطار	امام شوکانی	رئاسۃ ادارات البحوث ۔ مکہ مکرمہ
۷	:۔ فقہ السنۃ	السید سابق	داراحیاء التراث الاسلامی ۔ بیروت
۸	:۔ اسلام میں عدل اجتماعی	سید قطب شہید ترجمہ نجات اللہ صدیقی	اسلامک پبلی کیشنز چوک رنگ محل ۔ لاہور
۹	:۔ مسئلہ ملکیت زمین	ابوالاعلیٰ مودودی	〃 〃 〃 〃
۱۰	:۔ اشتراکیت اسلام کی نظر میں	چوہدری افضل حق	کلاسیک ۔ مال روڈ ۔ لاہور
۱۱	:۔ اسلام میں گردش دولت	پروفیسر ابوبکر غزنوی	یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی ۔ لاہور
۱۲	:۔ دولت مند صحابہ	عبدالمجید سوہدروی	فاروقی کتب خانہ ۔ اردو بازار ۔ لاہور
۱۳	:۔ انسائیکلو پیڈیا	———	فیروز سنز لمیٹڈ ۔ لاہور

آٹھویں صدی ہجری کے عظیم نابغہ ابو اسحاق ابراہیم الشاطبی کی شہرۂ آفاق تصنیف

الموافقات فی اصول الاحکام

کا

اردو ترجمہ زیر تکمیل ہے، اشاعت محدود ہوگی اس لیئے خریدار حضرات ابھی سے مندرجہ ذیل پتہ پر اپنی فرمائش سے مطلع فرماویں۔

شائع: مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور